

آپریشن بلیوسٹار

1984

طارق اسماعیل شاہ

آپریشن بلیوسٹار

طارق اسماعیل ساگر

سیونٹھ سکائی پبلی کیشنز

غزنی سٹریٹ، الحمد مارکیٹ، 40- اردو بازار، لاہور فون: 7223584

فون اردو
ڈاٹ کام

غیرت اور حریت کی ناقابل فراموش مثال سنٹ جرنیل سنگھ جی
خالصہ بھندرنوالے کی نذر جو مر کر کروڑوں مقہور اور مظلوم انسانوں کو باوقار
زندگی جینے کا درس دے گئے۔

چوں کار از ہا حیلے در گذشت
حلال است بردن بہ شمشیر دست

(گورو گوہندہ سنگھ جی مہاراج)

عرض مصنف

1978ء کے اوائل میں بھارتی پنجاب کے سابق ایم۔ ایل۔ اے (ممبر لیجسلیٹو اسمبلی) اور ممتاز سیاستدان سردار زیندر سنگھ بھلمیر کی کتاب ”سکھوں کے لئے ہندو اچھے یا مسلمان“ مجھے ایک بزرگ دوست کے ہاں دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا۔ کتاب اردو زبان میں چھپی تھی اور شاید پٹیا لہ سے شائع کی گئی تھی۔ یہی کتاب تحریک خالصتان سے میری دلچسپی کا باعث بنی۔

میری والدہ مہاجر اور والد مقامی ہیں۔ اپنی والدہ اور دوسرے بزرگوں سے میں نے اس سے پہلے 1947ء میں تقسیم ہند پر سکھوں کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم کی وہ کہانیاں سنی تھیں کہ الامان الحفیظ! میں سوچتا تھا دنیا میں کوئی ایسی بے رحم قوم بھی ہو سکتی ہے جو اپنے سینکڑوں سال کے ہمایوں کے ساتھ محض اس بنیاد پر کہ ان کا مذہب الگ ہے اس طرح کے بیہانہ ظلم ڈھائے۔ شاید ان لوگوں کا تعلق انسانوں کے قبیلے سے ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن سردار زیندر سنگھ بھلمیر کی کتاب ”سکھوں کے لئے ہندو اچھے یا مسلمان“ پڑھ کر میں کم از کم یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ جو اندازے میں نے قائم کر لئے ہیں وہ تمام کے تمام سو فیصد صحیح نہیں۔ سکھ بھی انسان ہیں اور پانچویں کی سیاست کے اس انداز میں شکار ہوئے جس طرح قوم پرست مسلمان ہوئے تھے جنہوں نے مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ یہ الگ بات ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو پھر انہی لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے ہاتھ خوب رنگے بلکہ دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں نے یہ بھی دیکھا اور سنا کہ وہ تحریک پاکستان کے داعی بن کر بیٹھ گئے.....!!

اس سے بڑا تاریخی فراڈ کیا ہو سکتا تھا کہ تحریک پاکستان کے مخالفین نے تحریک پاکستان کے جانشینوں کا لبادہ اوڑھ لیا۔

لیکن.....

جس تاریخی دھاندلی کا شکار پاکستانی مسلمان ہو رہے ہیں بہت عرصہ پہلے سکھ بھی اس شکار ہو گئے تھے۔

یہ تھاد پہلا تاثر جو میں نے قائم کیا۔

برہمن ازم کے مسلسل مطالعے، تجربے اور مشاہدے کے بعد پھر یہ بات میرے ایمان کا

شاہ محمد گیل تان سوئی ہونی
جھڑی کرے گا خالص ہندو میاں
(شان نامہ)

حصہ بنتی چلی گئی اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوا کہ برہمن کے پاس اور کوئی طاقت ہو یا نہ وہ انسان کو گمراہ ضرور کر سکتا ہے۔

میری دانست میں برہمن ازم کو اس سے زیادہ بہترین خراج تحسین پیش نہیں کیا جاسکتا۔
مروجہ بھارتی سیاسیات کا امام کوٹلیہ تھا جو خود کو بڑے فخر سے ”چانکیہ“ کہلاتا تھا اور ”چانکیہ“ لفظ کا مطلب ہے نیکار یا ایسا چالاک جو دعا بازی میں مہارت رکھتا ہو۔ اس لقب یا تخلص پر کوٹلیہ کو بڑا فخر تھا ”ارتھ شاستر“ اور ”منوجی سرتی“ کی شکل میں ہندو سیاسیات کے اساتذہ نے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ایسا ”طریق سیاست“ مضبوط کر دیا ہے جو مروجہ سیاسیات میں کبھی برہمن کو مار سکتا نہیں دے گا۔

”المنشیات یافتہ ماہر۔“ اسات ”نار تھراپ“ نے میکیا ولی کی ”دی پرنس“ اور منوجی سرتی کا موازنہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ ”دی پرنس“ کی مثال ”منوجی سرتی“ کے سامنے ایسی ہے جیسے کوئی چرواہا ہن کی مینے کو گودھالے کرکھا ہو۔

ہمارے سادہ لوح عوام کو اب علم نہیں کہ آج بھی بھارتی سیاستدانوں کے نزدیک ”منوجی سرتی“ اور ”ارتھ شاستر“ کو وہ مقام حاصل ہے جو ان کی ”رامائن“ اور گیتا“ کو ہے۔
یہ بھی وہ صدیوں کی تربیت یافتہ اور سیاسی دانہ بن جانے والی قوم جس کو سکھوں کی لیڈر شپ نے اپنا دوست جان لیا تھا یا جاننے پر مجبور کر دیے تھے۔ اور وہ جو کسی نے کہا کہ

اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں پر

اس دوستی کا انجام اتنا ہی بھیا تک ہو سکتا ہے جتنا کہ مشاہدے میں آ رہا ہے جس کا رونا آج سکھ دانشور رو رہا ہے۔

میں سردار زیندر سنگھ بھلیہ کی بات کر رہا تھا۔ جنہوں نے تقسیم ہندوستان کے بعد بھارت میں سکھوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا تفضیلی جائزہ لیا پھر ان الزامات کو دہرایا۔ ہندوؤں نے بڑی مکاری سے سکھوں کے دماغ میں مسلمانوں کے خلاف پیدا کئے اور آخر میں یہ رائے قائم کی کہ بالفرض مسلمانوں کے خلاف لگائے جانے والے یہ الزامات ٹھیک بھی ہوں تب بھی مسلمانوں نے ہم پر اتنے ظلم نہیں کئے جتنے ہندوؤں کی طرف سے کئے گئے ہیں اور ثابت کیا کہ اگر ہندوؤں کے لگائے الزامات درست بھی تسلیم کر لئے جائیں تو بھی مسلمان ہمارے لئے ہندوؤں سے بہتر حکمران تھے کہ کم از کم اس دور میں ہم خود پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف آواز تو بلند کر سکتے تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ سیاسی اختلافات اور ہوس ملک گیری نے حکمرانوں کو ہمیشہ اندھا کئے رکھا اور انہوں نے اعزاز حاصل کرنے کے لئے ناجائز کو جائز اور زرام کو حلال بنایا۔۔۔!

یہ عمل کسی نہ کسی صورت آج بھی جاری و ساری ہے۔
کیا آج کی مہذب دنیا میں سیاست کے نام پر جرائم نہیں ہو رہے؟
کیا آج کا ترقی یافتہ انسان ہوس اقتدار میں اندھا ہو کر وہ کچھ نہیں کر گزرتا جو شاید پتھر کے دور کا انسان بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ہندو کی چال بازیوں میں پھنسا سکھ و دوان یہ کیوں بھول گیا کہ مہاراجا رنجیت سنگھ نے اپنی سکھا شاہی کا آغاز ہی اپنی بیوہ ماں کے قتل سے کیا تھا جسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے مہاراجا نے اپنے ہاتھوں سے زہر دیا تھا۔

اپنی بیوہ ساس رانی سدا کو کو بہانے سے بلا کر قید کیا اور مرنے تک پھر وہ کبھی آزاد نہ ہو سکی۔ یہ وہی رانی سدا کو تھی جس نے ہر آڑے وقت میں مہاراجا رنجیت سنگھ کی مدد کی اور مہاراجا نے تمام دشمن اس کی مدد سے زیر کرنے کے بعد پھر اس سے بھی نصف علاقہ طلب کر لیا انکار پر اسے قید کر کے قید ہی میں مر جانے پر مجبور کر دیا۔

بندہ بیراگی جسے سکھ بندہ بہادر بھی کہتے ہیں مسلمانوں پر کس کس طرح قیامت ڈھاتا رہا اس سے متعلق مشہور سکھ کالر گیانی گیان سنگھ جی کا بیان ہے:

بال بردھ نہ ترن نجاے
پھڑ پھڑ بندے قتل کرانے
ترکیناں کے پیٹوں بچے
بہہ کڈھوائے بنے تب کچے

(پنچ پرکاش صفحہ 272 برہم 27 چھاپہ پتھر)

ترجمہ: بندہ بہادر جی نے کوئی عورت اور بچہ نہ چھوڑا یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کے شکم جاکر کر کے ان کے بچے نکلوائے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

پروفیسر رنجن سنگھ ایم ایس سی لکھتے ہیں۔

”سکھ تاریخ پر اگر کوئی سیاہ دھبہ ہے تو وہ بابا بندہ کے زبانے کے مظالم ہیں۔“ (رسالہ نویاں

قیماں نومبر 1948ء)

انگریز دور حکومت نے یوں تو برصغیر کو بہت سی لعنتوں سے نوازا لیکن ان کے دور میں لکھی گئی

تاریخ جو انگریزی حکمرانوں کے ایمپائر زرخیز مصنفین سے لکھوائی گئی اس دور کی بدترین یادگار ہے جسے ”اتہاس“ History کہنا تاریخ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

ان تاریخ نگاروں کا فضا پر صغیر میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ایک دوسرے کے خلاف سرگرم عمل رکھنا اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت، بغض اور عداوت کے جذبات کو ہمیز لگانا تھا۔ اس تاریخ میں خصوصاً مسلمان حکمرانوں کو ہدف تنقید بنایا گیا اور ان کے دور حکومت کی وہ گھناؤنی شکل پیش کی گئی کہ عام آدمی گمراہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے مابین اس جنگ کا ہندو سے زیادہ بہتر فائدہ اور کوئی اٹھا سکتا تھا جو پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف انتہا پر گئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے واقعات کو مزید بڑھا چڑھا کر اور مرج مصالطہ لگا کر پیش کیا اور برصغیر کی دوسری جنگجو اور بہادر قوم سکھوں کو اس حد تک گمراہ کر دیا کہ وہ سب کچھ بھولی بھلا کر مسلمانوں کے خلاف ہی صف آرا ہو گئے۔

مسلمان حکمرانوں کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ لگایا گیا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بڑے بڑے ہندو مت پرستوں اور سکھوں کو بے وقوف بنانے کے لئے ان کی انا کے غبارے میں یہ کہہ کر ہوا بھری گئی کہ ان کے گوروں نے ساری زندگی ہندوؤں کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ لڑی۔ اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ سکھوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے گوروں کی تعلیمات مانتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کا ساتھ دیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ خود ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے ایک دوسرے کے مندر اور مورتیاں برباد کیں۔ پنڈت دیانند جی اپنی مشہور و معروف کتاب سیتا تھ پراکاش میں لکھتے ہیں: ”سوامی شکر اچاریہ نے دس برس تک تمام آریہ درت میں دورہ کیا۔ جینیوں کے مت (دھرم) کا کھنڈن اور ویدک دھرم کا منڈن کیا۔ شکر اچاریہ کے دور حکومت میں جینیوں کے بت توڑے گئے۔ چنانچہ آج تک ان کے ٹوٹے اور سالم بت جو دریافت ہو رہے ہیں اس دور کی یادگار ہیں۔ اس زمانے میں جینیوں نے ڈر کے مارے اپنے سالم بت زمین میں گاڑ دیئے تھے کہ توڑے نہ جائیں وہی اب تک بعض مقامات سے دریافت ہو رہے ہیں۔

(سیتا تھ پراکاش سہاس 11 صفحہ 375)

سکھوں نے اپنے دور حکومت میں مساجد اور مندر دونوں سمار کے اس سلسلے میں درجنوں

مثالیں سکھ تاریخ نویسوں کی کتابوں سے بھی دی جاسکتی ہیں لیکن اس کی ضرورت اس لئے نہیں کہ کوئی عقل مند سکھ اس سے انکار نہیں کرے گا۔ اس سلسلے کی ایک بہترین مثال سکھ مذہب کی اصطلاح ”مست گڑھ“ ہے۔

”مست گڑھ“ کا مطلب ہے وہ گوردوارہ جو کسی مسجد میں قائم کیا جائے یا کسی مسجد کو گوردوارہ کی شکل میں تبدیل کیا جائے جیسا کہ سردار بہادر کاہن سنگھ جی تاجہ لکھتے ہیں۔ ”مست گڑھ“ وہ مسجد جہاں گوردوارہ کا پرکشش صاحب کا پرکاش کیا گیا ہے۔ مسجد کی جگہ بنایا گیا گوردوارہ ہے۔

(مہان کوٹ صفحہ 1127)

”مساجد جو سکھوں کے قبضہ میں آئیں اور جو گوردوارہ صاحب پرکاش کر کے دھرم سالہ بنائی گئیں۔ مست گڑھ کے نام سے مشہور ہوئیں۔

(گڑج بولے)

”مست گڑھ“..... مسجد میں نیا گوردوارہ۔

(خاصی بولے صفحہ 26)

☆☆☆

یہ بحث بھی ہو جائے گی کہ اقتدار ملنے پر کسی حد تک کوئی قوم یا کسی مذہب کے پیروکار دوسرے مذاہب سے متعلق اپنے نیک جذبات برقرار رکھ سکتے ہیں۔ جہاں تک مذہبی تعلیمات کا تعلق ہے تو ادیان عالم میں سے کوئی بھی دوسرے کی عبادت گاہ کوڑھانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام نے خصوصاً اس ضمن میں اپنے پیروکاروں کو تاکید کی ہے اور سختی سے دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو نہ صرف یہ کہ سہار کرنے سے روکا ہے بلکہ حالت جنگ میں بھی انہیں ”عافیت گاہیں“ قرار دیا اور یہاں موجود دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو ”پناہ“ کا درجہ دیا گیا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو اپنا نمبر ایک دشمن نامزد کر دیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جہاں تک براہ راست ٹکراؤ کا تعلق ہے تو مسلمانوں کے بعد اگر کوئی دوسری قوم ان کے خلاف صف آرا ہوگی تو وہ سکھ ہوں گے ان سکھوں کو قابو کرنے کا اس سے بہترین طریقہ اور کیا تھا کہ انہیں مسلمانوں سے ٹکرا دیا جاتا اس سلسلے میں ہندو کی بلا معاوضہ خدمات ان کے پاس موجود تھیں۔ ہندو اور انگریز نے ایک مشترکہ سازش کے تحت سکھوں کو کانگریس کی جھولی میں ڈال دیا اور ماسٹر نار سنگھ سردار بلیو سٹار اور مہاراجا پٹال جیسے لیڈروں

کو سکھوں پر مسلط کر کے ”مطلوبہ نتائج“ حاصل کر لئے۔

سکھوں کو کانگریس نے کس طرح استعمال کیا؟

کیا قائد اعظم نے تقسیم پنجاب کو روکنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی؟

ان سوالات کے جوابات لازم ہیں ورنہ آج کے پاکستانی نوجوان کو کبھی قائد اعظم کی عظمت کا صحیح احساس نہیں سکے گا نہ ہی اسے ”پاکستان کے قیام“ کی ضرورت سمجھ آ سکے گی۔

آئیے پہلے آپ کو مشہور صحافی قائد اعظم اور علامہ اقبال کے قریبی ساتھی میاں محمد شفیع (م۔س) کی روزنامہ نوائے وقت مورخہ 5 دسمبر 1965ء کو چھپی م۔ش کی ڈائری کا مطالعہ کروا دوں کہ اس سے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا۔

(م۔ش کی ڈائری)

”یہ ایک خط کی کہانی ہے جو مکتوب الہ قائد اعظم کو ملنے کی بجائے پنڈت نہرو کی فائل میں پہنچ گیا۔ تفصیل اس احوال کی یوں ہے۔ قائد اعظم کو جب پنجاب کی سکھ اقلیت سے بڑی ہمدردی تھی یہ خیال تھا کہ اگر پنجاب کے ہونے والے مسلمان 13 فیصد سکھوں سے مل کر کانگریس کے خلاف سانحہ موروچہ بنا سکیں تو اس سے نہ صرف پنجاب کو تقسیم ہونے سے محفوظ رکھا جاسکے گا بلکہ پنجاب کی مثال سے ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی غیر سرحدی نوعیت سے غارت سے محفوظ بنائے جاسکیں گے اور پنجاب میں سکھ مسلم مفاہمت سے سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان دوسرے بے شمار متنازعہ امور کے سلجھانے کی راہ نکل آئے گی اس خیال سے قائد اعظم اور سکھوں کے بعض لیڈروں خصوصاً گیلانی کرتار سنگھ کے درمیان کئی میٹنگیں بھی ہوئیں۔ اس اثنا میں مہاراجہ پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ جن کا کالیوں کی سیاسیات میں بڑا عمل دخل ہو چکا تھا سکھوں کو کانگریس کے نزدیک لانے میں کامیاب ہو چکے تھے چنانچہ سکھ لیڈر عموماً مسلم لیگ کے خلاف کارنے میں دن رات مصروف رہتے تھے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر ایک موقع پر قائد اعظم نے ایک اخباری بیان میں اعلان فرمایا کہ سکھوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر باتیں کرنی چاہئیں۔ ان کے اس اعلان کے بعد آل انڈیا سکھ یوتھ لیگ کے بعض اراکین نے جن میں سردار امر سنگھ انبالوی پیش پیش تھے۔ جمید نظامی مرحوم کی وساطت سے قائد اعظم سے ممدوٹ دلا میں ملاقات کی۔ سکھ نوجوانوں کے اس سوال کے جواب میں کہ آپس میں مل کر باتیں کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے قائد اعظم نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ زمین و آسمان کی باتیں کرنے

کی بجائے سکھوں کو اپنے مطالبات کو قلمبند کرنا چاہئے جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے وہ ان پر دانشمندی اور ہمدردی سے غور کرے گی۔

سکھ نوجوانوں نے قائد اعظم کا یہ پیغام اپنے لیڈروں کے کانوں تک پہنچایا اور اس بات پر اصرار کیا کہ کم از کم اتمام حجت کے طور پر قائد اعظم تک سکھوں کے مطالبات پہنچتے چاہئیں چنانچہ گیلانی کرتار سنگھ نے جنہیں ”سکھوں کا دماغ“ سمجھا جاتا تھا قائد اعظم کے نام ایک خط ڈرافٹ کیا جس میں سکھوں کے مطالبات کی سیاسی مذہبی اور ثقافتی شتوں کے ماتحت گردان کی گئی تھی اس میں صوبے کے علاوہ مرکز میں فوجی اور سول ملازمتوں میں سکھوں کے تناسب پر اصرار تھا۔ سکھ ریاستوں پٹیل ناٹھ، جنید فرید کوٹ اور پکور جھلہ کے مستقبل کے متعلق ضمانت طلب کی گئی تھی اور اس بات کی آئینی ضمانت مانگی گئی تھی کہ متحدہ پنجاب میں وزیر اعظم اور گورنر کے عہدوں میں سے ایک پر ہمیشہ سکھ کو فائز رکھا جائے گا۔ جہاں تک سکھوں کے گوردواروں کا تعلق تھا ان کے مالیات انتظامات اور انتخابات پر سکھوں کے لئے خود مختاری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان مطالبات کی اہم ترین شق یہ تھی کہ پاکستان کی کسی صوبائی یا مرکزی اسمبلی کو سکھوں کی مرضی کے بغیر ایسے مسائل پر جن کا تعلق سکھوں کے مذہبی مسائل سے ہو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہوگا اس خط کا آخری فقرہ یہ تھا جس طرح برطانیہ کی پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ دونوں کی اکثریت سے بادشاہت کے خاتمہ کا قانون بنا سکے اسی طرح پاکستان کی مجوزہ کسی صوبائی یا مرکزی اسمبلی کو محض اکثریت کے بل بوتے پر سکھوں کے مذہبی معاملات پر قانون سازی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اس خط میں گیلانی کرتار سنگھ نے قائد اعظم کو یقین دلایا تھا کہ اگر مسلم لیگ سکھوں کے ان کم از کم مطالبات کو قبول کر لے تو اکالی دل اور مسلم لیگ دونوں مل کر پنجاب کو متحد رکھنے کے لئے جدوجہد کریں گے گیلانی کرتار سنگھ نے یہ میمورنڈم ماسٹر تارا سنگھ کو بھی پڑھایا اور جب انہوں نے اس پر صادر کر دیا تو Post Script کے طور پر یہ فقرہ ایزاد کیا گیا۔ ”ماسٹر تارا سنگھ اس دستاویزات کے مستدراجات سے متفق ہیں۔“ جب یہ میمورنڈم ٹائپ ہو کر تیار ہو گیا تو یہ فیصلہ ہوا کہ اسے ڈاک میں بھیجنے کی بجائے کسی قابل اعتماد قاصد کے ذریعے قائد اعظم تک پہنچایا جائے قرعہ قرال گیلانی کرتار سنگھ کے ایک خاص محرم راز گوپال سنگھ دردی کے نام پڑا۔ گیلانی جی نے دردی کو بلا کر میمورنڈم ان کے حوالے کرتے ہوئے تاکید کی وہ دہلی جا کر جہاں قائد اعظم ان دنوں اورنگ زیب روڈ پر مقیم تھے یہ اہم دستاویز انہیں دے آئیں۔ مسٹر دردی نے دہلی پہنچ کر ”اورنگ زیب روڈ“ کی بجائے برلا ہاؤس کا رخ کیا جہاں ان دنوں کانگریس کا کوئی اجلاس جاری تھا اور یہ کاغذات قائد اعظم کی

بجائے پنڈت جواہر لال نہرو کے سپرد کر دیئے۔ اس طرح تاریخ میں ایک اور ”اگر“ کا اضافہ ہو گیا۔ اگر وہ کاغذات قائد اعظم تک پہنچ جاتے تو یقین ممکن ہے کہ اس امر کے باوجود کہ سکھوں کی سیاسیات سردار بلیو سنگھ کی بھارتی شہل مل کے مستقبل اور مہاراجہ پٹیلہ کی مسلم دشمنی کے باعث کانگریسی سیاسیات کے تابع ہو چکی تھی تاہم اس بات کا امکان تھا کہ پنجاب کو متحد رکھنے کے خیال سے قائد اعظم اکالیوں کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے پر تیار ہو جاتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ باہمی افہام و تفہیم اور کسروا عسکار سے سکھوں اور مسلمانوں میں مفاہمت کی کوئی شکل نکل آتی اور اس طرح اگر پنجاب متحد رہ سکتا تو آج برصغیر کی سیاسیات کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسٹر گوپال سنگھ دردی کی ان خدمات کے عوض انہیں سر قریب میں ارباؤں کا پنڈت نہرو کی خصوصی مداخلت کے بعد رکن منتخب کیا گیا تھا آج سکھ عوام گوپال سنگھ دردی کی مخاطب کر کے کہہ سکتے ہیں۔

توے فر۔ سند وہ ارزاں فروختند

سکھوں کے مشہور اخبار جس کا نام ”مارا سنگھ دل چلا تا رہا ہے روزنامہ ”تھیڈر“ جالندھر کی 19 اگست 1970ء کی اشاعت میں پاکستان کا دورہ کرنے والے اکالی سکھ لیڈر اور اخبار نویس سردار گوردیت سنگھ ایڈووکیٹ سرسایت حصار پنجاب کالاہور میں موجود ڈیرہ صاحب گوردوارہ کے گرنقی آئینجانی گیانی ہری سنگھ کے ساتھ ہونے والے ایک انٹرویو کی اشاعت نے سکھوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس انٹرویو کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں۔

سوال: گیانی جی مجھے علم ہوا ہے کہ آپ پاکستان میں رہنے والے والد سکھ ہیں؟

جواب: ایسی بات نہیں۔ صوبہ سرحد اور سندھ میں سکھ گھرانے آباد ہیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں میں واحد ایسا سکھ ہوں جس کا تعلق مشرقی پنجاب سے تھا اور میں پاکستانی پنجاب میں قیام کو ترجیح دی۔

سوال: آپ کا جنم کہاں اور کب ہوا؟ ماں باپ کون تھے؟

جواب: میرا جنم 1908ء میں کوٹ بابا دیپ سنگھ ضلع امرتسر میں ہوا۔ میرے والد کا نام حوالدار سوبن سنگھ اور والدہ کا نام پریم کور تھا۔

سوال: میرے علم میں آیا ہے کہ مسٹر جناح سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے آپ ان سے سب سے پہلے کب اور کہاں ملے؟

جواب: میری پہلی ملاقات جناح صاحب نے 1946ء میں اورنگ زیب روڈ دہلی میں جہاں وہ

قیام پذیر تھے ہوئی۔ میرے ساتھ مشہور سکھ ودوان سردار ہزارہ سنگھ بیٹھ بھی تھے۔

سوال: آپ انہیں کس حیثیت میں اور کس کام سے ملے تھے؟

جواب: میں بابا جیون سنگھ مذہبی دل کا پردھان تھا اور ”دل“ نے ریزولیشن پاس کر کے مجھے اختیار دیا کہ میں جناح صاحب کو ملوں اور اس بات کی کوشش کروں کہ پنجاب کا ہزارہ نہ ہو اور سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے پایا جائے۔

سوال: ایسا ریزولیشن پاس کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: ہم سوچتے تھے کہ پنجاب کی تقسیم سے سکھوں کو زبردست نقصان ہوگا۔ ہماری جائیدادیں ختم ہو جائیں گی۔ گوردوارے چھین جائیں گے۔ سکھوں کے قتل عام کا خطرہ موجود تھا۔ گورو گوبند سنگھ جی نے فرمایا تھا جو سکھ کسی مسلمان عورت کو بے آبرو کرے گا میرے نزدیک سکھ نہیں رہے گا اور ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اور سکھ اس اصول پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔

سوال: جناح صاحب نے آپ کی بات کا جواب کیا دیا؟

جواب: جناح صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ سکھوں کو پاکستان کے اندر ایک خود مختار سٹیٹ دینے کے لئے تیار ہیں۔ جہاں سکھوں کو مکمل مذہبی اور قانونی آزادی ہوگی۔

سوال: اس سکھ سٹیٹ میں کون سے علاقے شامل کئے جانے تھے؟

جواب: جناح صاحب جالندھر ڈویژن اور ضلع امرتسر کے علاوہ سکھ ریاستوں کو اس میں شامل کرنے پر رضامند ہو گئے تھے اور دوسرے پنجابی علاقوں پر بات چیت کے لئے تیار تھے۔

سوال: پھر اس تجویز کیا کیا بنا؟

جواب: جناح صاحب نے ہمارے ذمے ماسٹر تارا سنگھ کو رضامند کرنے کی ذمہ داری لگائی اور کہا کہ ہم ان کی اور ماسٹر تارا سنگھ کی ملاقات کا بندوبست کریں۔ میں جناح کا پیغام لے کر ماسٹر تارا سنگھ کو ان کے گھر سکھ مشنری کالج امرتسر ملا۔ میرے ساتھ تیس چالیس سرکردہ سکھ موجود تھے۔ ماسٹر جی نے جناح صاحب کو ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ راولپنڈی میں قتل ہونے والے سکھوں کا بدلہ ضرور لیں گے۔

سوال: سکھ لیڈروں میں کون کون آپ کے ہم خیال تھے؟

جواب: یوں تو بہت سے سکھ لیڈر میرے ہم خیال تھے لیکن ماسٹر جی کی مخالفت کے خوف سے ڈرتے تھے۔ گیانی کرتار سنگھ جی نے خود کو اس مشن کے لئے وقف کر رکھا تھا اور وہ اس ضمن

میں دہلی میں ہونے والے مسلم لیگ کنونشن میں بطور خاص شمولیت کے لئے گئے تھے تاکہ مسلمانوں تک اپنے خیالات پہنچا سکیں لیکن بعد میں وہ بھی ماسٹر تارا سنگھ کے خوف سے ایک طرف خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔

سوال: جناح صاحب نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ ہمارے ارادے سکھ دوستوں کے متعلق خراب نہیں ہیں میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں کو بیرونی اثرات سے آزاد کر لیں..... وہ بھی ملیں..... مسائل پر گفتگو کریں مجھے پورا یقین ہے ہم ایسے تعفیر پر پہنچ جائیں گے جو ہمارے سکھ دوستوں کے لئے قابل اطمینان ہوگا۔ بحوالہ (میرا پاکستان صفحہ ۹۲) آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

جواب: خیال سے اگر ماسٹر تارا سنگھ ایک مرتبہ بھی جناح صاحب سے مل لیتے تو سمجھوتہ ہونا لازم تھا۔ جناح سکھوں کی ہر شرط ماننے کی تیار تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بھارت کا اتہاس اور شکل ہی بدل جاتی۔

☆☆☆

سکھوں نے قیام بھارت کے فوراً ہی بعد اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ انہیں دھوکہ دیا گیا ہے اور 1948ء کے بعد سے آج تک وہ اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان کی بنیاد اس روز رکھ دی گئی تھی جس روز پہلے مسلمان نے سندھ میں قدم رکھا تھا۔ بعینہ خالصتہاں کی بنیاد 15 اگست 1947ء کو اس وقت رکھ دی گئی تھی جس روز بھارتی حکومت کی طرف سے باقاعدہ حکم جاری ہوا کہ

”سکھوں کے ساتھ ایک مجرم قوم کے افراد کی حیثیت سے سلوک کیا جائے۔“

یہی وہ حکم تھا جس کی بنیاد پر پہلے سکھ آئی سی ایس سردار کپور سنگھ نے بھارتی حکومت سے ٹکر لی اور بھارتی سپریم کورٹ میں اپنا وہ بیان رکارڈ کروایا جو اس کتاب کے آخر میں سرشمیر میں نے شامل کیا ہے۔ تاریخ کو جوں کا توں محفوظ رکھنے اور ترجمے میں معمولی سی بھی غلطی کا احتمال نہ رہے اس احتیاط کے پیش نظر میں نے کتاب میں اس بیان کا انگریزی متن دیا ہے کیونکہ سردار کپور سنگھ نے یہ بیان انگریزی زبان میں دیا تھا۔ جس سے کئی خفیہ گوشے بے نقاب ہوں گے اور تاریخ کے طالب علموں کو واقعات کو ان کے صحیح تناظر میں سمجھنے کی سہولت بھی میسر آئے گی۔

میں نے اپنی کتاب ”آن دی ریکارڈ“ میں سکھوں کی اپنے علیحدہ وطن کے لئے جدوجہد کے حوالے سے ایک طویل مضمون لکھا ہے یہاں صرف دو واقعات کا ذکر کروں گا تاکہ آپ کو

آپریشن بلیو سٹار کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

یوں تو سکھوں نے 48ء کے فوراً ہی بعد کانگریس کے مظالم اور بے ایمانی کا رونا رونا شروع کر دیا تھا لیکن 60ء میں باقاعدہ سکھ ہوم لینڈ کی تحریک شروع کر دی گئی تھی۔

سکھوں کی بدقسمتی ملاحظہ کیجئے کہ ماسٹر تارا سنگھ کے بعد انہیں فتح سنگھ کی صورت میں دوسرا بزدل لیڈر مل گیا جسے کانگریس نیتا کوئی نہ کوئی چکر دے کر رام کرتے رہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اپنی زندگی میں فتح سنگھ نے کئی مورچے حکومت کے خلاف لگائے ”مرن برت“ رکھے۔

لیکن.....!

ہر دفعہ یا تو حکومت اسے کسی پال یا جال میں پھنسا لیتی یا پھر وہ اپنے پیٹرو ماسٹر تارا سنگھ کی طرح بک جاتے۔

اس صورت حال سے تنگ آ کر اپنے لیڈروں کی بے حسی اور ہندو لیڈروں کے سکھوں کے تئیں تسخر کے خلاف بالآخر 13 اپریل 1967ء کو بھائی نندن نے ”سکھ ہوم لینڈ“ اور ”خالصہ جی کے بول بالے“ کے لئے خود سوزی کر لی تاکہ شرومنی اکال دل کی لیڈر شپ کو ان کی بے حیثیتی کا احساس دلا سکیں۔

اس واقعے کے بعد بھی اکالی دل کی لیڈر شپ کو شرم نہ آئی اور وہ اپنی ”گندی راج نیتی“ کے مطابق اسی طرح کانگریس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے بلکہ فتح سنگھ نے جو اکالی دل کا پردھان تھا اس کی موت کو ایک ذرا مہربانی کی کوشش بھی کی..... اپنے لیڈروں کو ان کی بے حیثیتی کا احساس دلانے کے لئے دوسری بڑی کوشش مشہور سکھ دودان اور لیڈر درشن سنگھ پھیر ومان نے کی اور ”سکھ ہوم لینڈ“ کی حمایت میں ”مرن برت“ رکھ کر مر گئے۔

سردار پھیر ومان نے اپنی موت سے پہلے آخری وصیت ریکارڈ کروانے کے علاوہ لکھوادہ تھی اور سارے سکھوں کو جاری کر دی۔ اس کا متن یہ تھا:

”میں درشن سنگھ پھیر ومان سکھ پنڈت بھارتی شہریوں اور دنیا بھر کے حساس اور درد دل رکھنے والے انسانوں کو اپنا یہ آخری پیغام وصیت کی شکل میں پہنچانا چاہتا ہوں۔

جب میرا یہ پیغام آپ تک پہنچے گا میں اس دنیا کو چھوڑ چکا ہوں گا۔ آج یکم اگست 1969ء کو میری عمر 85 سال ہو جائے گی۔ گزشتہ نصف صدی

میں سکھوں کی ”چڑھدی کلا“ اور ملک کی آزادی کے لئے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑتا رہا ہوں۔ میری زندگی کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔

بھارت آزاد ہو گیا لیکن سکھ پن্থہ ابھی تک غلام ہے.....! بھارت میں ہمیں مذہبی آزادی کی بجائے پھر شفا چار (ظلم) اور گرداٹ کا سامنا ہے۔

سکھوں کی سیاست اور مذہبی مقامات پر جعلی سنت مہنت (اشارہ سنت فتح سنگھ کی طرف ہے) اور سکھ پن্থہ کے دشمن چھا گئے ہیں۔

سکھ مذہب، رسومات، سکھوں کی روایات اور سکھوں کا تاریخی اثاثہ قدموں تلے کھلا رہا ہے۔

سری اور انجنت کے سامنے کھڑے ہو کر ”ارداس“ کرنے کے بعد مرن برت رکھنے کا عہد کر کے اور خود سوزی کر کے مر جانے کی قسمیں کھانے والے پاکھنڈیوں نے دلی کی راہ اختیار کر لی ہے (سنت فتح سنگھ نے اکال تخت کے سامنے دونوں عہد کئے تھے لیکن مرن برت کے آخری مراحل پر سکھوں کو چکر دے کر حکومت سے مل گیا۔ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے)۔

یہ پاکھنڈی اب ایک سازش کے تحت سکھوں کی مذہبی اور سیاسی اجارہ داریوں پر قابض ہو چکے ہیں۔

اسی سازش اور بزدلی کو سکھ مذہب کا حصہ ثابت کرنے کے لئے سکھوں کی مذہبی اہمیت کے اداروں پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور یہ پاکھنڈی اسے سکھ مذہب بتانے لگے ہیں اس ضمن میں سرکاری مکمل پشت پناہی انہیں حاصل ہے۔

جس طرح طرح سکھ مذہب کو ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا گیا۔ سکھ مذہب کی مٹی جس طرح پلید کی جا رہی ہے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ سکھ سیاست پر قابض سنت مہنت (اشارہ سنت فتح سنگھ وغیرہ کی طرف) اور قوم کے خدایوں نے سیاست سے عام سکھ کا عمل دخل ختم کر کے ایک سازش کے تحت انہیں ہندو کا غلام بنادیا ہے۔

میری قربانی کے بغیر قریب کا یہ جال اور کمر اور ریا کاری کی یہ سیاست کبھی ننگی نہیں ہوگی۔

سنت فتح سنگھ نے اکال تخت کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ بولا اور سکھ قوم کو اس کی سزا مل رہی ہے اور جب تک میں اپنی جان کی قربانی نہیں دوں گا سکھ قوم کی گردن سے یہ بوجھ نہیں اتر سکتا۔

سری اکال تخت کے دشمن سنت فتح سنگھ اور اس کے بزدل ساتھیوں نے اپنے جل مرنے کے لئے ”ہون کھنڈ“ (جہاں جل کر مرا جاتا ہے) تیار کر دیا ہے لیکن اس سے بھاگ گئے اب سکھوں کو اس ”ہون کھنڈ“ میں جل کر اس گناہ کو کفارہ ادا کرنا ہے۔

گورو صاحبان اور اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر سکھ پن্থہ کہیں پناہ حاصل نہیں کر سکتا۔

اب یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ کوئی سکھ اپنا سر کٹا کر سنت فتح سنگھ اور دوسرے خدایوں کے گناہوں کا پراچھٹ (کفارہ) کرے تاکہ ہم آزاد ہندوستان میں ”آزاد سکھ دھرم“ اور سکھ ہوم لینڈ کی طرف اپنا سفر شروع کریں۔ اس نشانے (سکھ ہوم لینڈ) کی آزادی کے لئے میں اپنی قربانی پیش کرنے پر جا رہا ہوں۔

سکھوں سے میری اپیل ہے کہ وہ میری موت کے بعد اپنا فرض پہنچائیں۔ میری موت کے بعد میرے جسم کو سنت فتح سنگھ کے لئے بنائے گئے ”گنگی کنڈ“ (جو اس نے اپنا جسم جلانے کے لئے بنایا تھا اور بعد میں بھاگ گیا) میں رکھ کر جلایا جائے اور میری اسپتھان (راکھ) ”کرت پور صاحب“ پہنچا دی جائیں۔

پن্থہ کے خدایوں کو سزا دی جائے اور اکال تخت سے ان کا قبضہ ان کی جھوٹی نشانوں سمیت ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ نشانیاں سکھ پن্থہ کے اچلے منہ پر کلک کا ٹیکہ بنی ہوئی ہیں۔

سنگت ارداس کرے کہ دسم پاتشاہ میری قربانی قبول کریں اور اپنے پن্থہ کی عزت کو قائم رکھیں۔“

سیورن پنجاب زندہ باد
سکھ ہوم لینڈ امر ہے۔
واہے گورو جی کا خالصہ..... واہے گورو جی کی فتح۔

گورو سنگھ دا داداس
درشن سنگھ پھیر دمان

☆☆☆

درشن سنگھ پھیر دمان کی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق دی گئی قربانی نے ان ہندوؤں کو
چھو لیسے ہی کے لئے سبھی سوچنے پر ضرور مجبور کر دیا جو سنت فتح سنگھ کے پاس پاکھنڈ کے بعد سے
سکھوں سے عداوت کرنے لگے تھے اور یہ کہتے تھے کہ سکھ لیڈر صرف مرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں مر
نہیں سکتے۔

پھیر دمان نے رکر سکھوں کے دلوں میں آزادی کی جوت جگا دی اور پھر یہ جوت سے
جوت ایسی جلی کہ آج یہ دھکلا لاوا رہا ہے.....!

1960ء سے شروع ہونے والی سکھوں کی تحریک، علیحدگی بڑے پرامن طریقے سے جاری
تھی کہ بھارتی حکمرانوں نے ایسی تاریخی غلطی کا کتاب کر لیا جس کے بعد پھر فرار کی کوئی راہ ان
کے لئے باقی نہیں بچی۔

یہ غلطی تھی دربار صاحب پر بھارتی فوج کا حملہ.....
یہ حملہ سزا انداز گا ندھی کے حکم پر اس زعم میں کیا گیا تھا کہ وہی بھر دہشت گردوں کو بھسم کر دیا
جائے۔

یہی دہشت گرد پھر اتنے طاقتور ہو گئے کہ خود بھارتی میڈیا انہیں ”امت واہی“ (دہشت
گرد) کہتے ہوئے ڈرتا تھا اور انہیں ”ملی ٹنٹ“ کہنے پر مجبور تھا۔

یہ مختصری کتاب جو آپ پر ہننے جا رہے ہیں میری دس برسوں کی محنت کا شاخسانہ ہے۔ میں
نے امریکہ اور یورپ میں ان سینکڑوں سکھ نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں سے ملاقاتیں کیں جو کسی نہ
کسی طرح آپریشن بلیو سٹار کا حصہ کسی نہ کسی حیثیت میں رہے اور اب بمشکل اپنی جانیں بچا کر ان
ملکوں میں آباد ہیں۔

آپریشن بلیو سٹار پر جو بھی رپورٹس یا مضامین سامنے آئے ہیں ان کی سچائی کو تو چیلنج نہیں کیا
جاسکتا لیکن سکھوں میں موجود مختلف آزادی پسند گروہوں نے یہ اپنے اپنے نقطہ نظر سے لکھا اور

کوشش کی ہے کہ ان کی ”جتنے بندی“ نمایاں رہے۔

میں نے اپنی دانست میں کسی تعصب کے بغیر واقعات بیان کئے ہیں اور ایک غیر
جانبدار مصنف کا فریضہ ادا کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کا مطالعہ میرے محترم قارئین کو
ہندو ذہنیت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

☆☆☆

ایک اخبار نویس کی حیثیت سے میں جانتا ہوں کہ ”ذرائع خبر“ کی اہمیت کیا؟ اور مجھے فخر
ہے کہ اس ضمن میں مجھے مستند ذرائع حاصل رہے۔

میں نے 1978ء سے تحریک خالصتان پر لکھنا شروع کیا تھا۔ 1982ء کے اواخر میں میری
کتاب بلکہ کتابچہ جس کا نام ”خالصتان..... ماضی کا خواب مستقبل کی سچائی“ منظر عام پر آیا۔ اس
کتابچے کے لئے مجھے مواد مشرقی پنجاب میں چھپنے والے پنجابی اخبار ”اکالی پتریکا“ اور ”مہتیدار“
سے حاصل ہوا۔

یہ دونوں اخبارات لاہور کے ایک معتبر روزنامے میں آیا کرتے تھے جہاں گورکھی زبان
جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ میں چونکہ گورکھی میں شدید رکھتا تھا۔ اس لئے اکثر وہاں جا کر ان
اخبارات سے استفادہ کیا کرتا۔ پھر میرا اخبار کے مالکان سے معاہدہ ہوا کہ وہ مجھے اخبارات دے
دیا کریں گے اور میں ان کی ضرورت کا مواد اردو میں ترجمہ کر دیا کروں گا۔

یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔
بہر کیف یہ کتابچہ منظر عام پر آیا جو خاکسار نے اپنی جیب سے شائع کیا تھا کیونکہ ان دنوں
میں ”اتنا بڑا ادیب“ نہیں تھا نہ ہی کسی پبلشر کے پاس ایسے ”فضول موضوعات“ پر ضائع کرنے
کے لئے رقم موجود تھی۔

حسن اتفاق کتابچے کی اشاعت کے قریب ایک ڈیڑھ ماہ بعد سکھ یاتریوں کا ایک جتھہ معمول
کے مطابق پاکستان آیا اور انارکلی کے بکٹالوں سے کچھ سکھ یاتریوں نے یہ کتابچہ خرید لے۔
مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ مجھ سے بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ اس جتھے کی روانگی کے
شاید تین یا چار ماہ بعد ایک اور جتھہ آیا۔ تب میں ”روزنامہ نوائے وقت“ سے غفلت ہو چکا تھا۔

یاتریوں کے اس جتھے میں خاصے غیر ملکی سکھ بھی آئے تھے جن میں ڈاکٹر ہر چند سنگھ دگیر کا نام
نمایاں ہے جو آج کل سکندے نو یا کے ملک ناروے میں سیاسی پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی بسر
کر رہے ہیں اور بلاشبہ ان کا شمار دنیا کے گئے چنے پنجابی زبان کے سکالرز میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر

ایک تفصیلی نوٹ اس کتابچے کے حوالے سے لکھا جس میں یہ ”شدنی“ بھی موجود تھی کہ یہ کتابچہ بھارتی معاملات میں سراسر مداخلت ہے.....!! مجھے لندن سے کسی مہربان نے اس نوٹ کا تراشہ بھیجا تھا۔ میں نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

1985ء میں شاید بھارتی خارجہ سیکرٹری مسٹر رگوترا (جو آج کل ٹریک نوڈ پلومیسی فرما رہے ہیں) پاکستان تشریف تو انہوں نے یہ کتابچہ مرحوم جنرل ضیاء الحق کو پیش کر کے اپنی حکومت کا یہ گلہ بھی گوش گزار کر دیا کہ یہ بھارتی حکومت کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے اور دونوں ممالک کے تعلقات میں سرد مہری کا باعث بنے گا۔

مجھے ان واقعات کا علم نہ ہو پاتا اگر ”بالائے ناگہانی“ مجھ پر نہ ٹوٹی۔ ایک تو خدا کے فضل سے ہماری ”کاؤنٹر انٹیلی جنس“ یوں ہی بڑی نہارت اور جوشیلی ہے خصوصاً جب ”اعلیٰ سطح کی انکوائری“ آجائے تو ان کی ”آئینا جانیاں“ کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ شاید کسی اعلیٰ کی میٹنگ میں کسی ”برگزیدہ ہستی“ نے محض یہ جاننا چاہا ہوگا کہ یہ طارق اسلمیل ساگر کون ہے؟

خدا ہماری بیورو کریسی کو ایسا موقع دے۔ ان کے لئے تو بیلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اندازہ کیجئے کہ کتابچہ چھپے قریباً دو سال ہو گئے اور مجھ پر یہ بلائے ناگہانی ٹوٹ پڑی۔ پہلے ایک ٹیم تشریف لائی اور میرے جد امجد سے لے کر آئندہ آنے والی نسلیوں تک کا احوال لکھ کر لے گئی۔ پھر دوسری پھر تیسری..... اس درمیان ”اپنے ذرائع“ سے مجھے یہ علم ہو گیا کہ مجھ سے کون سا ”نا قابل تلافی گناہ“ سرزد ہوا ہے لیکن حیرانگی کی بات میرے لئے یہ تھی کہ جب میں ایک صاحب کو کہتا کہ برادر عزیز آپ سے پہلے والے کو میں طویل اور تکلیف دہ انٹرویو دے چکا ہوں تو وہ ادائے بے نیازی سے مسکرا کر کہہ دیتے کہ ان کا مسئلہ الگ ہے۔ فلاں کا تعلق مرکز سے ہے۔ فلاں کا صوبے سے فلاں کا فلاں سے وغیرہ وغیرہ۔ خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہو گیا۔

☆☆☆

ابھی اس حادثے سے سنبھلا ہی تھا کہ ایک اور قیامت ٹوٹی جب بھارت سے جہاز اتوار کے پاکستان لانے والے ہائی جیکروں کے لیڈر سردار گنجد رنگھ نے اپنی طرف سے خصوصی عدالت کو صفائی کے گواہوں کی جوسٹ پیش کی تھی اس میں میرا نام بطور ”سکھ مسئلے کے ماہر (Expert) کی حیثیت سے دے دیا.....!! انہوں نے میرا کتابچہ جیل میں پڑھا تھا اور اس زمانے میں نوائے

صاحب سے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ پیالہ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ اگلے روز اخبار کے دفتر میں ایک سکھ صاحب مجھ سے ملنے آئے۔ خدا جانے وہ کون تھے؟ لیکن انہوں نے اپنا تعارف ”بابا ٹھارا سنگھ“ کے نام سے کروایا یہ نوجوان سکھ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کے ”گرو دیے“ تھے۔ گرو دیے سے مراد وہ سکھ ہے جو سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کا مصاحب اور چوبیس گھنٹے ساتھ رہنے والا جانا رہا ہو۔

بابا ٹھارا سنگھ نے مجھے بتایا کہ چار ماہ پہلے آنے والے جتھے میں کچھ سکھ میرا کتابچہ ”خالہستان“ سے خواب مستقبل کی سچائی“ لے گئے تھے جو انہوں نے سنت جی کو پیش کیا۔ کسی مسلمان کا سکھوں کے مسئلے پر لکھا کتابچہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ نے بڑی دلچسپی سے اردو جاننے والے اپنے ایک گیلیانی سے سنا اور اس کی تصدیق کی۔

بابا ٹھارا سنگھ نے مجھے سنت بھنڈرا نوالہ کی خواہش بتائی کہ وہ چاہتے ہیں میں ان سے ملاقات کروں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے۔ سنت بھنڈرا نوالہ کا نام بھارتی اور پاکستانی اخبارات میں گونجا کرتا تھا اور بھارتی حکومت کے لئے ”محل در دسربن“ چکے تھے غالباً نومبر 83ء کی بات ہے۔ اتنے بڑے اور عظیم سکھ مجاہدوں طرف سے ایک مسلمان سے لکھاری کو یہ دعوت میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ میں نے دلی خوشی کا اظہار کیا۔ کہا کہ انشاء اللہ میں ضرور بھارت آنے کی کوشش کروں گا۔

قدرت کو شاید یہ ملاقات منظور نہیں تھی کیونکہ جون 84ء تک مجھے فراغت نہ مل سکی اور سنت جی کو زندگی نے مہلت نہ دی۔

1984ء میں جو جتھہ پاکستان آیا۔ اس میں سنت جی نے اپنے ایک صاحب پر کار کو مجھ سے ملاقات کی ہدایت کی اور میرے لئے ہر مندر صاحب سے ”سردیا“ روانہ کیا۔

یہ ”سردیا“ جو پگڑی پر مشتمل ہے آج بھی اس عظیم انسان کی یادگار کی صورت میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ شاید آخری اظہار محبت تھا جو سنت جی کی طرف سے میرے لئے ہوا۔ پھر وہ جون 1984ء میں اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

☆☆☆

1984ء میں خدا جانے میرا کتابچہ کس طرح ”روزنامہ اجیت“ جالندھر تک پہنچ گیا..... تب ”اجیت“ کے مالک اور ایڈیٹر سردار ساہو سنگھ ہمدرد تھے جواب سورگباش ہو چکے ہیں۔ انہوں نے

نہیں سمجھتا تھا۔ احباب کا تقاضا تھا کہ میں خالصتان تحریک سے متعلق وہ تمام ”راز منکشف“ کر دوں جو جانتا ہوں اور میں اس تاریخی ساعت کا منظر تھا جب یہ سب کچھ جواب دل پر بوجھ بنتا جا رہا ہے کہہ ڈالوں۔ ”آپریشن بلیو سٹار“ کو اس سلسلے کی پہلی کڑی جاننے میں بھارت کی علیحدگی اور آزادی پسند تنظیموں اور تحریکوں پر کام کر رہا ہوں اور انشاء اللہ جلد ہی قارئین تک اس ضمن میں اپنی گزارشات پیش کرنے لائق ہو جاؤں گا۔

میری یہ کتاب ادارہ سیونٹھ سکائی پبلی کیشنز سے شائع ہو رہی ہے جس کے بعد اُمید ہے کہ آپ کی وہ شکایات جو آپ میری کتابوں کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ بڑبندی اور پروف ریڈنگ سے متعلق کیا کرتے ہیں جس طرح یہ قاری کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب معنوی ہی نہیں، صوری طور پر بھی خوبصورت دکھائی دے۔ مصنف بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق جب پیکر میں ڈھلے تو اتنی ہی خوبصورت دکھائی دے جیسا کہ اس نے سوچا اور لکھا۔

ہمارے ہاں بد قسمتی سے حکومت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قاری اور کتاب کا رشتہ ختم ہو جائے اس کے لئے بہترین ہتھیار کاغذ کی گرانی ہے جسے ہر حکومت نے کلباڑے کی طرح استعمال کیا ہے۔ دنیا کے جاہل ترین معاشروں میں بھی کتاب کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ پر حکومتیں رعایت دیتی ہیں ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے اور زمانے بھر کے ٹیکس کاغذ پر تھوپ کر اُسے اتنا مہنگا اور نایاب کر دیا جاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔

ان حالات میں جو پبلشرز کتاب خوبصورت انداز میں آپ تک پہنچاتے ہیں بلاشبہ وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ سیونٹھ سکائی پبلی کیشنز بھی ان میں شامل ہے میری تمام پرانی کتابیں اسی ادارے سے ملیں گی اور جلد ہی انشاء اللہ نئی کتابیں بھی۔

آپ سے درخواست ہے کہ میری کتابیں طلب کرتے ہوئے ادارہ سیونٹھ سکائی پبلی کیشنز کا نام ضرور دیکھ لیا کریں تاکہ آپ تک معیاری کتاب پہنچے۔

طارق اسماعیل ساگر

☆☆☆

وقت میں میرے مضامین سکھوں کے مسئلے پر مسلسل چھپ رہے تھے جس کے بعد سے صحافتی سیاسی اور ”خفیہ سروس“ کے حلقوں میں میری شہرت اس حوالے سے ہو گئی تھی۔

سردار گنجد رستگہ نے شاید اس خیال سے کہ میں گورکھی میں شہر بدر کھنے اور کچھ سکھ دھرم کو سمجھنے کے حوالے سے ان کی بات کو عدالت عالیہ تک اچھے انداز میں پہنچا سکوں گا میرا نام دیا ہوگا۔

لیکن.....

میرے ”خفیہ والے مہربانوں“ کو پھر موقعہ ہاتھ لگ گیا.....!!

اور وہ مجھے ”سکھوں کا دوست“ بنانے پر تل گئے۔

عین ان دنوں جب اس مقدمے کی کارروائی کا آغاز ہونے والا تھا میں نے اپنی آئینی لاعلمی کی وجہ سے ایک مضمون ”سکھوں کی پسند یا ہائی جیکر“ کے عنوان سے نوائے وقت میں لکھ دیا۔ جسے عدالت نے مداخلت جانا اور ”آف کورٹ“ لگا دی۔

ان پے در پے حادثات نے بیرونی دنیا میں موجود مسکھوں کے اس طبقے کو جو کسی نہ کسی طرح اپنی جانیں بچا کر بھارتی پنجاب سے فرار ہو کر امریکہ اور کینیڈا میں جا بسا تھا میرا نام آشا اس طرح کر دیا کہ سکھوں کے مشہور ہفت روزہ ”دیس“ لندن ”ورلڈ سکھ نیوز“ امریکہ ”چڑھدی کلا“ کینیڈا میں میرے مضامین گورکھی میں ترجمہ ہو کر چھپنے لگے۔ ورلڈ سکھ نیوز میں تین چار سال تسلسل سے میری ہفت روزہ ڈائری بھی چھپتی رہی۔ جس میں اپنے نقطہ نظر سے میں مشرقی پنجاب کے حالات پر کچھ نہ کچھ لکھتا رہا تھا۔

اس طرح مجھے دنیا بھر میں موجود خالصتان نواز سکھوں تک رسائی حاصل ہوئی اور مجھے (First Hand Information) یعنی تازہ ترین حالات سے آگاہی رہنے لگی۔ اس درمیان میں نے سینکڑوں مضامین اور تین کتابیں سکھ مسئلے کے حوالے سے لکھی ہیں اور دنیا کے ہر قابل ذکر خالصتان نواز سکھ سے ملاقات کر کے ان کے احوال سے آگاہی حاصل کی ہے۔

آپریشن بلیو سٹار پر شدید خواہش کے باوجود ابھی تک کچھ نہیں لکھ سکا تھا۔ دراصل میں مکمل صورت حال کا ادراک کئے بغیر اور اپنے علم کی حد تک واقعات کی تصدیق کے بغیر کچھ لکھنا ٹھیک

2 جون 1984ء کی صبح!

بھارت کے صوبہ آسام کا دورہ کرتے ہوئے بھارتی صدر گیانی ذیل سنگھ صبح کا اشان کر رہا تھا۔ آج کے پروگرام کے مطابق اس نے خاصے فساد زدہ علاقے کا دورہ کرنا تھا اس ضمن میں سیکورٹی کے خصوصی اقدامات کئے گئے تھے۔

اقدامات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ صوبے کی کم از کم ذمہ دار شخصیتوں تک بھارتی صدر کا حتیٰ پروگرام پہنچ سکے۔

اس کا سبب ”اے کی وہ خفیہ رپورٹ تھی جو ہوم منسٹری کو پہنچائی گئی جس میں بتایا گیا تھا کہ آسام میں سرگرم عمل ”الفا“ تحریک علی گ کے آسام کی صوبائی حکومت میں ”ہمدرد“ موجود ہیں اور وہ لوگ انتہا پسندوں کے لئے کہ ”اسی“ قانونی حد“ عبور کر سکتے ہیں۔

بھارتی انٹیلی جنس کے انتظامات کا یہ عالم تھا کہ مقامی انٹیلی جنس یونٹوں میں جہاں کہیں آسامی آفیسرز موجود تھے انہیں سیکورٹی انتظامات سے بڑے معصومانہ طریقے سے الگ کر دیا گیا تھا۔

صرف غیر آسامی اور ”را“ کے انتہائی قابل اعتماد آفیسرز کو ہی لیائی ذیل سنگھ کے پروگرام کی اطلاع دی گئی تھی۔

عام حالات میں اہم ملکی شخصیات (وی آئی پی) کی حفاظت کی ذمہ داری بھارتی ”سی بی آئی“ سنٹرل بیورو آف انٹیلی جنس پر عائد ہوتی ہے۔

لیکن.....

معاہدے کی اہم نوعیت کے پیش نظر بھارتی صدر کی سیکورٹی کے انتظامات ”را“ نے خود سنبھال رکھے تھے۔

صدر کی آمد سے تین روز پہلے ہی مرکز سے انٹیلی جنس افسران کی ایک خصوصی ٹیم اسی مقصد کے لئے آسام روانہ کر دی گئی تھی جس نے مقامی انتظامیہ کو سیکورٹی معاملات سے عملاً علیحدہ کر دیا تھا۔

بھارتی صدر گیانی ذیل سنگھ کو اس بات سے بہت الجھن ہوتی تھی کہ اس کے معمولات کو اس سے بھی خفیہ رکھا جائے۔

آج بھی جب وہ ناشتے کی میز پر پہنچا تو اس کا ”اے ڈی سی“ پروگرام میں تبدیلی کی اطلاع کے ساتھ موجود تھا۔

”خیریت۔ پھر کوئی سیکورٹی پرابلم آگئی ہے۔“ اس نے اپنے اے ڈی سی کی طرف طنزیہ مسکراہٹ اچھالی۔

نوجوان کیپٹن کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لئے بدلا پھر وہ اپنی سخت تربیت کے مطابق نارمل ہو گیا۔

”جناب والا! پرائم منسٹر نے دورہ ملتوی کر کے فوراً دہلی آنے کے لئے کہا ہے۔ ایئر فورس کا خصوصی جہاز اس مقصد کے لئے ہوائی اڈے پر موجود ہے۔“

کیپٹن نے ایڑیاں جھاتے ہوئے کہا۔

گیانی جی ایک لمحے کے لئے چونکے.....!!

منز اندرا گاندھی نے انہیں خصوصی ہدایات کے ساتھ آسام بھیجا تھا اور اب وہی اچانک دورہ ملتوی کر کے واپس آنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔

”او۔ کے“.....

انہوں نے صرف دو الفاظ کہنے پر اکتفا کیا۔

صورت حال بالکل غیر واضح تھی۔

گیانی جی کو پرائم منسٹر کی طرف سے آنے والے خصوصی حکم کی کاپی فراہم کی گئی تھی۔ یہ حکم پرائم منسٹر نے بڑے ”مودب“ انداز میں رات کے دو بجے روانہ کیا تھا۔

چونکہ گیانی ذیل سنگھ اس وقت سو رہے تھے اس لئے ان کے عملے نے انہیں جگا کر آگاہ کرنے کے بجائے صبح تک انتظار کرنا مناسب جانا۔

یوں بھی اس حکم میں ”صبح پہلی فرصت“ میں دہلی پہنچنے کی درخواست کی گئی تھی۔

ہوائی اڈے تک صدر کو کمانڈوز کی حفاظت میں پہنچایا گیا تھا..... اس وقت گیانی کا ذہن دو معاملات میں الجھا تھا۔

ایک تو پنجاب میں سکھوں کی یورش.....

دوسرا وزیراعظم کا غیر ملکی دورہ.....

پی لاؤنچ کی طرف جانے کی بجائے وہیں سے کار میں سوار کروادیا گیا! حالانکہ دی آئی پی لاؤنچ میں عمائدین سلطنت ان کے استقبال کو موجود تھے۔ ایسا شاید انہیں اخبار نویسوں کی فوج سے بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔

یہ لوگ جانے کہاں سے اطلاع پا کر ہوائی اڈے پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ شاید آسام سے ہی یہ خبر آؤٹ ہوئی تھی کیونکہ دہلی میں تو اس بات کو پوشیدہ رکھا جا رہا تھا۔ گیانی ذیل سنگھ راشٹرپتی ہاؤس پہنچے تو پہلا فون انہیں بھارتی وزیراعظم کا ملا۔

مسز اندرا گاندھی نے انہیں اچانک دورہ ملتوی کر کے یہاں آنے کی زحمت دینے پر معذرت کرتے ہوئے مطلع کیا تھا کہ وہ دس پندرہ منٹ تک راشٹرپتی ہاؤس پہنچ رہی ہیں۔

حالانکہ یہ راشٹرپتی ہاؤس کا لنچ ٹائم تھا.....!!

گیانی ذیل سنگھ کے عملے کے لوگ جانتے تھے کہ یہ سنگھ صدر ڈسٹن کا بہت زیادہ پابند ہے خصوصاً اپنے ڈاکٹروں کی ہدایات پر وہ انتہائی سادہ لیکن بروقت کھانا کھانے کا عادی تھا۔ لیکن.....!

آج اس نے اچانک دوپہر کا کھانا ملتوی کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے اپنے عملے کے لوگوں کو قدرے بوکھلادیا تھا۔

صرف گیانی جی کے پرسنل سیکرٹری کو ہی اس بات کا علم تھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟

گیانی جی بھارتی وزیراعظم کے منتظر تھے۔

انہوں نے چائے کی ایک پیالی پینے پر اکتفا کیا۔

دس منٹ بعد ہی ”راشٹرپتی بھون“ کے عملے کو اطلاع مل گئی کہ بھارتی وزیراعظم بھارتی صدر کی ملاقات کو آرہی ہیں۔

بھارتی محل کا سارا عملہ ”سٹیڈ بائی“ ہو گیا۔

مسز اندرا گاندھی نے معمول کے مطابق چائیکافی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر جمادھی تھی اور دیویوں کے سے انداز میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے گیانی جی کے سامنے موجود تھی۔

سفید اچکن پر سرخ پھول سجائے گیانی ذیل سنگھ نے بھی ”سیاسی مسکراہٹ“ کے ساتھ وزیراعظم کا استقبال کیا۔

دونوں سیدھے میننگ روم کی طرف گئے تھے.....

☆☆☆

پہلے مفروضے پر اس نے اس لئے زیادہ توجہ نہ دی کہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا جس پر اسے بلایا جانا ضروری سمجھا جاتا۔ مٹھی بھر انتہا پسندوں پر قابو پانے کے لئے پنجاب میں لاکھوں کی تعداد میں پولیس سی آر پی بی ایس ایف اور دیگر قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے اہلکار تھے.....!

دوسری بات البتہ اہم تھی.....!!

پاکستان کی طرف سے سرحدوں پر تناؤ کی خبریں صدارتی محل میں گردش کرتی رہتی تھیں اور مقتضہ کشمیر کے سرحدی علاقوں میں جہزپیں روزانہ کا معمول بنی جا رہی تھیں۔ ان حالات میں مسز اندرا گاندھی نے یورپ کا دورہ کرنے کی ٹھانی تھی.....!

”کیا ایک مرتبہ پھرائیڈ ونچر پسند اندرا مہارانی پاکستان پر جنگ مسلط کرنے جا رہی تھی؟“

یہ تاہم سوال گیانی ذیل سنگھ کو بار بار جھجکولے دے رہا تھا۔

پنجاب میں بھارتی فوج کی مسلسل آمد کی خبریں گیانی ذیل سنگھ کو اپنے خصوصی ڈرائیو سے مل رہی تھیں اس کے ذرا حاطا عا۔ بارہے تھے کہ یہ فوجیں پاکستان کے خلاف نہیں بلکہ سکھوں کو کچلنے کے لئے استعمال کی جائیں گی۔

لیکن.....!

گیانی کے ذہن نے یہ دلیل ماننے سے انکار دیا تھا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسز اندرا گاندھی سکھوں کو اشتعال دلا کر بھارت کے لئے مستقل در دوسرے مول لینے کا خطرہ مول لے گی۔

گیانی ذیل سنگھ کے پنجاب کی اکالی لیڈر شپ سے تعلقات کوئی آج کی ات نہیں تھی۔ گو کہ وہ ہمیشہ سے کانگریس کا حمایتی رہا تھا۔ لیکن جب سے وہ بھارت کا رہا۔ اکالی اپنے اکثر کام لینے کے لئے اس کی چوکھٹ پر ہی سجدہ ریز ہوا کرتے تھے۔

پنجاب کی مقامی سیاست پر اس کی گرفت بہت گہری تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اکالیوں کی کون سی کمزور گ کو کس وقت دبایا جاسکتا ہے؟

اس کی یہی ”کوالیفیکیشن“ اسے بھارتی صدر کے اہم منصب تک پہنچانے کا ذریعہ بنی تھی۔

☆☆☆

بھارتی ایئر فورس کے طیارے نے ساڑھے بارہ بجے پالم پور کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر لینڈ کیا.....!!

خدا جانے کیا مصیبت آن پڑی تھی۔ معاملات کتنے سنگین ہو گئے تھے کہ گیانی جی کو دی آئی

سز اندرا گاندھی کے ساتھ آنے والے خصوصی عملے کے ایک فرد نے جسے بھارتی پریس "آراین کاؤ" کے نام سے جانتا تھا جو "را" کا بانی اور موجودہ سیکورٹی چیف تھا ایک فائل وزیراعظم کو بڑے ادب کے ساتھ تھادی۔

وزیراعظم نے فائل ہاتھ میں پکڑی اور دونوں خصوصی میٹنگ روم میں داخل ہو گئے۔

گیانی جی کو حیرت ہو رہی تھی کہ ابھی تک وزیراعظم نے ان کے دورہ آسام کے حوالے سے ایک بھی بات نہیں کی تھی۔

وہ مسلسل پنجاب کی متحدہ حالت کا ذکر کر رہی تھیں.....!!

یہی ہی ایرانی نے اپنی سیٹ سنبھالی۔ وزیراعظم نے انہیں سکھ دہشت گردوں کی طرف سے ملکی رستم کو درپیش حالات کی تازہ ترین سمری کے نوٹس پڑھ کر سنانے شروع کر دیئے جو ان کے ہاتھ میں موجود فائل میں درج تھے.....!

گیانی جی حیرت سے کبھی وزیراعظم اور کبھی اس فائل کی طرف دیکھ لیتے جو اس سیکورٹی چیف آراین کاؤ نے انہیں تھائی۔

ابھی تک انہوں نے حالات اپنی لوٹی رائے نہیں دی تھی.....!!

ان کی گہری خاموشی وزیراعظم کو کھلے لگی تھی۔

اچانک ہی سز اندرا گاندھی نے گیانی ذیل سہ کی طرف نظر پڑاؤ کر ان سے صورتحال پر تبصرہ مانگا تھا۔

گیانی جی نے بڑے محتاط انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی راسخ میں سز اندرا گاندھی کے دل میں پیدا شدہ خطرات دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

ایک گھنٹے تک وہ انہیں یقین دلاتے رہے کہ صورتحال اتنی گھمبیر نہیں ہے جتنی پنجاب میں موجود اپنے لوگوں کی حمایت سے اس پر قابو پالیں گے۔

انہوں نے بھارتی وزیراعظم کو باور کروانا چاہا کہ پنجاب میں سکھوں کی ایک ہی مضبوط سیاسی جماعت اکالی دل ہے جو ہر طرح ان کے ساتھ ہے اور وقت آنے پر وہ لوگ حکومت کی صفوں میں کھڑے ہوں گے.....!!

دو گھنٹے تک دونوں تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اس گفتگو کے درمیان گیانی جی نے مسلسل پانی پیا تھا.....

دوسری طرف بھارتی وزیراعظم بھی ایسی ہی صورتحال سے دوچار تھیں..... کیونکہ جس طرف

وہ گیانی جو کولانا چاہتی تھیں وہ بات گیانی ذیل سنگھ ماننے کو تیار ہی نہیں ہو رہے تھے۔

اچانک سز اندرا گاندھی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں.....

انہوں نے ڈرامائی انداز میں گھٹنی سنبھالی تھی۔

محافظ کے اندر آنے پر انہوں نے آراین کاؤ کو طلب کیا جو نجانے کب سے میٹنگ روم سے ملحقہ کمرے میں فائلیں اپنے سامنے رکھے پیش آئندہ حالات کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

جیسے وہ اندر داخل ہوا اور مودب انداز میں سر جھکاتے ہوئے اس نے کرسی سنبھالی تو سز اندرا گاندھی نے اسے مخصوص اشارہ کیا۔

آراین کاؤ نے ایک فائل کھول کر صدر گیانی ذیل سنگھ کے سامنے رکھ دی۔

یہ فائل ایک ٹائم بم تھا.....!

جو بھارتی سکھ صدر کے اعصاب پر پھٹا اور وہ لرز کر رہ گیا۔

تاریخ اپنے آپ کو دہرانے جاری تھی.....

ایک سکھ جرنل سکھوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لئے اتاؤ لا ہوا جاتا تھا..... فائل میں جنرل رنجیت سنگھ دیال کی طرف سے جی ایچ کیو کورٹ 12 بجے موصول ہونے والا پیغام رکھا تھا۔

"جرنل سنگھ بھنڈرا نوالہ ہر مندر صاحب کو بم سے اڑانے پر تیار ہوا ہے۔

مجھے فوراً آرڈر کی مدد بھیجی جائے..... فوجی کارروائی ناگزیر ہو چکی

ہے۔".....!

"جناب صدر! صورتحال اس ٹیلی گرام سے بھی زیادہ کشیدہ ہے۔ پاکستان

نے ہر طرح کا خطرناک اور تباہ کن اسلحہ دربار صاحب میں دہشت گردوں

تک پہنچا دیا ہے۔ یہ لوگ ملکی سلامتی کے لئے چیلنج بن چکے ہیں..... سول

فورسز ان پر قابو پانے میں مکمل ناکام ہو چکی ہیں اور فوج کا دباؤ ان لوگوں

نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔".....

آراین کاؤ نے اپنی تقریر شروع کی۔

اس نے گیانی جی کے سامنے دربار صاحب کے کمپلیکس کا نقشہ بچھا کر ایک نازک مقام پر

انگی رکھتے ہوئے انہیں "ات دادیوں" (انتہا پسندوں) کے مورچوں کی اطلاع دی اور بتایا کہ

یہاں کس نوعیت کا اور کتنا خطرناک اسلحہ موجود ہے۔

میٹنگ کو 100 منٹ گزر چکے تھے جب اچانک سز اندرا گاندھی نے ایک ٹاپ شدہ کاغذ

کمرے سے باہر آ گئی۔

اس کے چہرے پر کی خونی مسکراہٹ بہت گہری ہو چکی تھی۔

گوکہ پرائم منسٹر ہاؤس سے روانگی کے وقت ہی ان لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ”گن پوائنٹ“ پر بھی گیلیانی جی سے دستخط کر دینے پڑے تو اس سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ لیکن.....!

بزدل سکھ نے ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کی تھی اور ایک ہی دھمکی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ مسز اندرا گاندھی تھوڑی دیر بعد صفدر جنگ روڈ کی طرف فتح کے نشے میں سرشار اڑی چلی جا رہی تھی۔

اس نے ایک وقت میں تین شکار کھیلے تھے۔

کانگریس کی ہاری ہوئی بازی وہ سکھوں پر حملہ کر کے جیتنا چاہتی تھی اب دنیا کی کوئی طاقت اسے اگلے ایکشن میں ناکام نہیں کروا سکتی تھی کیونکہ ہندو ووٹ بکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں گر پڑتا۔

گیانی ذیل سنگھ بھارت کا صدر لیکن سکھ تھا۔ ایک سکھ جرنیل سے اس نے صورتحال کی سنگینی کا ٹیلی گرام لے کر دوسرے سکھ صدر سے سکھوں کے متبرک ترین مذہبی مقام کی تباہی کا حکم حاصل کر لیا تھا۔

اس طرح وہ دنیا کے سامنے سرخرو ہو گئی تھی۔

وہ اقوام عالم کو بتانے جا رہی تھی کہ دربار صاحب میں مورچہ بند سکھ کوئی مذہبی لوگ نہیں اگر ایسا ہوتا تو ایک سکھ جرنیل اور دوسرا سکھ صدر ان کے خلاف حملے کی منصوبہ بندی اور حکم کیوں جاری کرتے؟

☆☆☆

اپنے راج سنگھاسن کی طرف لوٹتے ہوئے گیلیانی ذیل سنگھ کا دل خزاں زدہ پتے کی طرف لرز رہا تھا۔ آنے والی تباہی کے تصور سے اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا.....! بھارتی صدر جانتا تھا کہ وہ کتنا خوفناک فیصلہ لکھ کر دے آیا ہے۔ اب وہ حکومت کے کسی بھی بہیمانہ عمل پر احتجاج نہیں کر سکتا تھا۔

اب وہ اس عمل کا حصہ بن چکا تھا.....!

راتوں رات تین لاکھ بھارتی فوج پنجاب کی طرف کوچ کر رہی تھی.....!!

نکال کر بھارتی صدر کے سامنے رکھ دیا۔

کاغذ پر نائپ تحریر نے ایک مرتبہ پھر گیلیانی جی کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔ بھارتی آئین کے مطابق ان سے دربار صاحب پر فوجی حملہ کرنے کے ”حکم“ پر دستخط کرنے کی درخواست کی جا رہی تھی۔

گیانی ذیل سنگھ نے کاغذ پڑھ کر میر پر رکھ دیا.....!

اتنا اہم فیصلہ کرنے کے لئے اسے کچھ وقت چاہئے تھے۔

لیکن.....!

بھارتی وزیراعظم انہیں ایک لمحہ دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

”صدر میری درخواست ہے کہ ہمیں بد مزگی پر مجبور نہ کیا جائے“.....!

آراین کاؤ کے الفاظ نے گویا پگھلا ہوا سیسہ گیلیانی ذیل سنگھ کے کانوں میں اغڑھیل دیا۔

یہ کھلی دھمکی تھی.....!!

جارحیت تھی.....!!

صدر جمہوریہ بھارت کی سربراہ تین تھیں.....!!

لیکن.....!

وہ مجبور تھا.....!

بزدل گیلیانی سنگھ نے اپنا نام سکھ تاریخ کے غداروں میں گوانے کا فیصلہ کر لیا تھا.....

وہ موت اور ذلت کے خوف سے لرزاں تھا.....!

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ بھیا..... اور مردہ حکم پر دستخط

کئے.....

اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اس نے اپنی موت کا ”بلیک وارنٹ سائن“ کیا ہو۔

”تھینک یوسر!“

کہتے ہوئے آراین کاؤ نے فائل جھپٹ لی۔

قہر کی دیوی.....

کالی ماتا.....!

بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اسے آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کے لئے کہا تھا۔

آراین کاؤ کی روانگی کے چند منٹ بعد ہی مسز اندرا گاندھی مردہ دل بھارتی صدر کے ساتھ

”آپریشن بلیو سٹار“ کا آغاز ہو چکا تھا۔

مکافات عمل عجب تماشا دکھانے جا رہا تھا.....!

لیکن.....!

یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو گیا تھا.....

تاریخ نے گن گن کر ورق پلٹے تھے.....

مظلوم ظالم..... اور ظالم مظلوم..... یونہی نہیں بن گئے تھے۔ اس کا ایک کھل پس منظر تھا۔

ایک کہانی تھی۔ ایک تاریخ تھی۔

☆☆☆

13 اپریل 1978ء

اس دن کو تحریک خالصتان میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے.....!!

آزادی حاصل کرنے کے 31 سال بعد اور پاکستان کے بازوئے شمشیر زن الگ کرنے کے محض سات سال بعد براہمن سامراج نے اپنے ہاتھوں اپنے تابوت میں آخری دکیل ٹھونک دی.....!

کانگریس کے پرفریب نعروں کا شکار ہونے والی سکھ قوم کو احساس ہو گیا کہ ان کی لیڈر شپ نے 14 اگست 1947ء کو انہیں کوڑیوں کے مول ہندو سامراج کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔

15 اگست 1947ء کو سرکاری حکم کے تحت سکھوں کو ”جرائم پیشہ“ قوم بتانے کے بعد سے بھارتی حکومت نے قیام بھارت کے ساتھ ہی گویا سکھوں کی تباہی کی بنیاد بھی رکھ دی تھی۔

13 اپریل 1978ء تک بھارتی حکومت ایک طے شدہ سازش کے تحت سکھوں کو مذہبی معاشرتی اور معاشی طور پر تباہ کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا رہی۔

ان کے گھروں میں جہاں گوروؤں کی تصاویر لٹکائی جاتی تھیں۔ وہیں دیوی دیوتاؤں کی تصاویر بھی لٹکائی جانے لگیں۔

سکھوں اور ہندوؤں کو ”ایکسا“ کے فریب میں الجھانے کے لئے مشترکہ شادیوں کو روک دیا گیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جانے لگی۔

چانکیائی سیاست کے تابع ہندو کا سازشی ذہن کتنا بھیا تک روپ اختیار کر سکتا ہے اور دوسروں کے گھروں کو جلانے کے لئے ہندو ذہنیت کیا گل نہیں کھلا سکتی۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ بعض براہمن گھرانے ایک سازش کے تحت اپنے ایک بیٹے کو کیس (لیبے بال) رکھوا کر اسے سکھ بنادیتے تھے۔

اس طرح ہندو نے سکھوں کے سماجی ڈھانچے کو ہی تباہ کر ڈالنے کی سازش تیار کر لی تھی۔

بنیادی طور پر سکھ مذہب پرست قوم ہیں.....!

یہ لوگ ”شہشتر“ کے ادھین سے راج“ یعنی تلوار اور طاقت ہی حکومت کی بنیاد ہے کہ پیرو

اکالی دل کے ٹکٹ پر ایکشن لڑتے۔

انہوں کے کبھی ”ترنکاری جتھے“ کے خطرے کو اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ عموماً اکالی دل اس وقت حکومت کے خلاف ”مورچہ“ لگاتا تھا جب اس نے حکومت پر دباؤ ڈال کر کچھ مراعات حاصل کرنی ہوتی تھیں۔

سکھوں کے دو مضبوط مذہبی اکھاڑے یا سکول آف اٹھابٹ (School of Thoutht) ہیں۔

1۔ دمدی نکسال

2۔ اکھنڈ کیرتی جتھے

ان دونوں مذہبی مدارس کے فارغ طلباء بعد میں سکھ گوردواروں میں ”بھائی“ یعنی مذہبی راہنما بنائے جاتے ہیں۔ سکھوں کے بیشتر ”پاٹھی“ (گوردو گرنتھ صاحب سکھوں کی مذہبی کتاب کی تلاوت کرنے والے) اور ”کیرتی“ (جنہیں راگی بھی کہا جاتا ہے جو گا کر عبادت کرتے ہیں) کا تعلق ان دونوں میں سے کسی ایک دینی مدرسے سے ہوتا ہے۔ چونکہ گوردواروں کی سیاست پر ان دونوں مدارس کا اثر ہوتا ہے اور اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں گوردوارے بھارتی حکومت کے کنٹرول سے باہر نہ نکل جائیں۔ اس خطرے کے پیش نظر ایس جی پی سی (گوردوارہ پر بندھک کمیٹی) کو بھی اکالی دل کا ہی ایک ونگ بنادیا گیا۔

اس طرح عملاً یہ کوشش کی گئی کہ گوردواروں کو بھی اکالی دل کے کنٹرول میں رکھا جائے۔ ”ترنکاری“ خطرے کو سب سے زیادہ دمدی نکسال اور اکھنڈ کیرتی جتھے نے محسوس کیا اور داسے درمے اس کے خلاف سراپا احتجاج بھی ہوتے رہے لیکن براہمن سیاست کے تھارخانے میں ان کی آواز کبھی ”طوطی“ سے زیادہ اثر نہ دکھاسکی۔

☆☆☆

13 اپریل سکھوں کے لئے زبردست ثقافتی اور مذہبی حیثیت کا حامل تہوار ہے۔ اس روز ”بیساکھی“ منائی جاتی ہے۔

بیساکھی کے متعلق پنجاب میں عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ فصلوں کی کٹائی کی خوشی میں منایا جانے والا تہوار ہے۔

لیکن.....!

شاید غیر سکھ اقوام کو اس بات کا علم نہ رہا ہو کہ یہ سکھوں کا سب سے بڑا مذہبی تہوار بھی ہے۔

کارہے ہیں۔

سکھوں کی واحد سیاسی جماعت ”اکالی دل“ دراصل ایک مذہبی جماعت ہے اکالی دل نہ صرف سکھوں کے مذہبی معاملات کی رکھوالی کرتا ہے بلکہ ان کے سیاسی معاملات کی رکھوالی بھی اس کا ذمہ ہے۔

اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سکھ قوم بنیادی طور پر سیاست کو دین کا حصہ تصور کرتی ہے اور یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اس ضمن میں سکھوں کے آخری گورو گو بند سنگھ نے اسلامی تعلیمات کا خاصا اثر قبول کیا تھا اور شاعر مشرق کے اس اصول کو:

”جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی“

پہلے اپنا لیا تھا اور سکھ سیاست کا دھارا ہی اصول پر بہت ناظر آتا ہے۔

☆☆☆

جس طرح 52ء کی جگہ، آزادی کے بعد انگریزوں کو مسلمانوں کو پیکل دینے کے باوجود اس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اس خاکسار سے کوئی چنگاری ضرور اٹھے گی اور ان کے اقتدار کو جلا کر راکھ کر ڈالے گی اور اس خطرے کو بھانپتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کے جذبہ جہاد پر کاری ضرب لگانے کے لئے ”مرزائی“ مذہب کو جنم دیا۔ بعینہ بھارتی حکومت نے سکھوں کے فرقے ”ترنکاری“ کو جسے سکھ اپنے مذہب کے مطابق غیر ملکہ قرار دیتے آئے ہیں خوب بڑھا دیا اور اس نام نہاد فرقے کو جس کے ممبران کی تعداد آٹھ لاکھ تھیں برابر بھی نہیں تھی ناجائز مراعات دے کر اتنا مضبوط کر دیا کہ بھارتی حکومت کی پشت پناہی سے یہ نوں سکھ دھرم کے لئے ایک چیلنج بن گئے۔

ترنکاریوں کو دھڑا دھڑا اسلحے کے انسپشن جاری کر کے جہاں ان کی دھار عام سکھوں کے دلوں پر بٹھانے کی کوشش کی گئی۔ وہاں انہیں مسلسل ہلاشری کے ذریعے اس قابل بھی دیا گیا کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر سکھوں کو بچا دیکھا سکیں.....!

سکھ سیاست چونکہ اکالی دل کے گرد ہی گھومتی ہے۔ اور اکالی لیڈر شپ کو قیام بھارت کے ساتھ ہی بھارتی حکومت نے ”درباری سیاست“ میں بری طرح الجھا لیا تھا یہ لوگ سوائے اپنی وزارتوں کے اور کسی مسئلے کو سکھ قوم کا مسئلہ نہیں سمجھتے تھے اسی چکر میں پڑے رہتے تھے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ 1978ء تک اکالی صرف جوڑ توڑ کی سیاست ہی کرتے آئے تھے جب کانگریس کا پلا بھاری ہوتا تو اس کے ساتھ ساز باز کر لیتے اور جب اکالی دھڑا مضبوط ہوتا تو

سکھ مذہب کے مطابق اس روز سکھوں کے آخری گورو گوبند سنگھ جی نے ”خالصہ سبایا“ تھا یعنی سکھ جو اس سے پہلے باقاعدہ ”سنگھ“ نہیں بنے تھے انہیں باقاعدہ ایک جماعت یعنی (پنتھ) کا روپ دیا۔ اس روز گورو گوبند سنگھ نے ہر سکھ کو اپنے نام کے ساتھ ”سنگھ“ اور ہر سکھ عورت کو اپنے نام کے ساتھ ”کور“ لگانے کا حکم دیا جن کے معنی شیر اور شیرنی ہیں۔

جس شکل اور روپ میں ہمیں سکھ آج نظر آتے ہیں۔ یہ روپ سکھوں نے اس روز دھارن کیا (اپنایا) تھا۔

سکھ جیسا کہ ”خالصہ کا جنم دن“ کے روپ میں مناتے ہیں۔ اس روز سکھوں کے لئے عید کا دن منایا جاتا ہے۔ گھروں اور گوردواروں میں خصوصی تقاریب منائی جاتی ہیں۔

اس روز سکھوں کا اکیلی اجتماع ان کے متبرک مذہبی مقام ”دربار صاحب“ میں ہوتا ہے جہاں سال کا سب سے بڑا ”دربار“ سبایا جاتا ہے۔

خصوصی عبادت کی جاتی ہیں اور پنجاب کے شہروں میں میلے لگائے جاتے ہیں۔ اس روز سکھ خصوصی اہتمام کے ساتھ اپنا مذہبی لباس زیب تن کرتے ہیں اور سارے پنجاب میں جیسا کہ کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔

13 اپریل 1978ء کا دن بھارتی حکومت نے سکھ مذہب پر اپنی دانست میں بھرپور حملہ کرنے کے لئے چنا تھا۔ یعنی 29 سال پہلے 13 اپریل 1949ء کو جلیانوالہ میدان میں فرنگی سامراج نے مسلمانوں اور سکھوں کا قتل عام کیا تھا۔ شاید چاروں کے جیلے ایک مرتبہ پھر اس ”خونی روایت“ کو دہرانا چاہتے تھے۔

اس مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ سکھوں سے ان کا مذہبی عقیدہ منہ پر منہ صاحب چھین کر نام نہاد سکھوں ”زنکار یوں“ کا اس پر قبضہ کروادیں گے۔ اس طرح ایک مستقل خطرہ نکل جاتا اور سکھ روحانی طور پر تباہ ہو کر رہ جاتے۔

مذہبی اور معاشی طور پر نیا سامراج اپنی دانست میں ان کا تیا پانچ کر رہی چکا تھا۔ اب وہ اس روحانی غذا کے سپلائی سنٹر پر جہاں سے سکھوں کو تھوڑی بہت سپلائی ابھی جاری تھی اپنے قبضے میں لینا چاہتے جس کے لئے 50 ہزار زنکار یوں کا اجتماع اسی روز امرتسر میں کیا تھا۔

سکھ اپنے مذہبی اجتماع کو ”دربار“ کا نام دیتے ہیں

☆☆☆

دربار صاحب امرتسر میں ہزاروں سکھ موجود تھے۔

”ہر مندر صاحب“ کے سامنے والے تالاب میں حل دھرنے کو جگہ نہیں تھی اور سکھ اپنے مذہب کے مطابق ”اشنان“ کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سارا مگن سکھ سنگت سے بھرا ہوا تھا اور ”سجی صاحب ہال“ میں دیوان سبایا گیا تھا۔

اس وقت پنجاب پر اکالی دل کی حکومت تھی اور اس وقت کے اکالی دل حکومت کے وزیر مال جتھندرا جیون سنگھ عمر انگل اس مذہبی اجتماع کی صدارت کر رہے تھے۔

سج پر سکھ دھرم کی روایات کے مطابق دمی نکسال کے سربراہ کی حیثیت سے سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے اور کیرتی جتھتے کے سربراہ کی حیثیت سے بھائی فوجا سنگھ بھی موجود تھے۔

سردار عمر انگل کے خطاب کے دوران بھنڈراں والا کے کچھ اہلکار بھاگتے ہوئے سج تک پہنچے اور انہوں نے بھنڈرانوالے کو بتایا کہ امرتسر شہر کے ”مہنت چوک“ میں 50 ہزار زنکاری اپنے گورو گوبند جی کی کمان میں جمع ہو چکے ہیں۔

ایک مسلح جلوس کی قیادت گوبند جی سنگھ کی بیوی کلونت کور ایک پاگنی میں بیٹھ کر کر رہی ہے۔ خطرناک ارادے سے اس طرف بڑھ رہا ہے۔ اس جلوس میں زیادہ تعداد مسلح زنکاریوں کی ہے جو سکھوں کو گالیاں دیتے ہوئے اس طرف آ رہے ہیں۔

زنکاریوں کے خطرے کو سنت بھنڈرانوالے نے کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ انہیں اس بات کا ایک مذہبی راہنما کی حیثیت سے احساس تھا کہ ہندو سامراج نے اس فرقے کو سکھوں کے خلاف کس لئے منظم کیا ہے۔

یہ سن کر سنت جرنیل سنگھ سج پر پہنچے اور انہوں نے اکالی وزیر عمر انگل کو مخاطب کر کے زنکاریوں کے اس خطرناک جلوس اور ان نعروں کی طرف اس کی توجہ دلائی جو زنکاری بلند کرتے اس طرف آ رہے تھے۔

اس پر عمر انگل نے کھڑے ہو کر اجتماع کو یقین دہانی کروادی کہ جلوس ادھر نہیں آئے گا۔ اس پر سنت جرنیل سنگھ نے کہا کہ اس مذہبی دن زنکاریوں کا مسلح اجتماع اور سکھ مذہب کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کا کیا جواز ہے جبکہ پنجاب پر سکھوں یعنی اکالی دل کی حکومت ہے۔

عمر انگل نے اس پر سنت جرنیل سنگھ کو قریباً ڈانٹتے ہوئے یاد دلایا کہ بھارت میں سیکولر راج ہے اور زنکاریوں کا یہ اجتماع سرکاری اجازت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ سنت بھنڈرانوالہ یہ سن کر خاموشی سے آئے اور کپلیکس کے دوسرے حصے میں واقع ”سرائے رام داس“ کی طرف چلے گئے۔

صاف محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے عمر انگل کی اس ڈانٹ کا برا منایا ہے اور وہ خاصے غصے میں دکھائی دے رہے تھے۔

انہیں سرائے رام داس کی طرف جاتے دیکھ کر ان کے سینکڑوں پیروکار اور ”کیرتی جتھے“ کے سکھ بھی اس طرف آگئے جلد ہی وہاں ہزاروں سکھوں کا اجتماع ہو گیا۔

یہاں سنت جرنیل سنگھ نے ”سکھ سنگت“ سے اپیل کی کہ وہ انہیں اجازت دیں کہ سنت جی اپنے پیروکاروں کا جتھہ لے کر جائیں اور نرنکاریوں کے اس طوفان کو روکنے کی کوشش کریں۔ ان کے پیروکار جانتے تھے کہ یہی بھارتی سرکار کی منشا ہے۔

بھارتی حکومت کو بھی اس بات کا علم تھا کہ سنت جرنیل سنگھ دھرم کے خلاف کوئی حرکت برداشت نہیں کرتے تھے اور جوش میں آکر وہ کوئی غلط قدم ضرور اٹھائیں گے اور اسی چکر میں بھارتی سموت خطرہ لے لے اس کا نئے کو نکال باہر پھینکے گی۔

سکھ دھرم کی تعلیمات کے مطابق ان کا کوئی بھی لیڈر اپنی ذاتی حیثیت میں فیصلہ نہیں کر سکتا وہ اپنے ہر فیصلے کے ”سکھ سنگت“ کی اجازت کا محتاج رہتا ہے.....!

سکھ سنگت نے جھنڈرانوالہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور یہ طے پایا کہ سکھوں کے ”پانچ پیارے“ جو فیصلہ کریں گے، مانا جائے گا۔

پانچ پیاروں نے فیصلہ کیا کہ سکھوں کا ایک جتھہ نرنکاری اجتماع کی طرف ضرور بھیجا جائے گا جو انہیں جا کر سمجھائے کہ وہ ایسی حرکات نہ کریں جو سکھوں کو اشتعال دلا کر کسی غلط فیصلے کے لئے مجبور کریں۔

اس ضمن میں ایک مشترکہ کمانڈ کیرتی جتھے اور دمدی نکسال کی تیار کی گئی جس میں دونوں جتھوں کے ”پانچ پانچ پیارے“ جتھے کی کمانڈ کرنے کے لئے تیار کئے گئے اور 150 سکھ دونوں مذہبی مدارس کی طرف سے ان کی کمانڈ میں ”ارداس“ کے بعد نرنکاری اجتماع کی طرف روانہ ہو گئے۔ سکھ کوئی بھی اہم کام کرنے سے پہلے ارداس کرتے ہیں۔ جسے ان کے ہاں ”ارداس سودھنا“ کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ارداسا سودھنے کے بعد واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

ان لوگوں نے اجتماع کی طرف جانے کے لئے ”لوہ گڑھ“ والا راستہ اپنایا تھا یہ جتھہ اس طرف بڑھ رہا تھا جبکہ نرنکاری مسلح اجتماع کر رہے تھے۔

اجتماع سے بمشکل چار سو گز کے فاصلے پر پولیس کے جوانوں نے اس جتھے کا راستہ روکا۔ خیال رہے کہ یہ لوگ بالکل غیر مسلح تھے۔

جتھے کے کمانڈروں نے پولیس سے کہا کہ وہ نرنکاری راہنماؤں سے بات کرنا چاہتے ہیں وہ یہاں لڑنے کے لئے نہیں آئے جس کا ثبوت ان کا غیر مسلح ہونا ہے۔ پولیس نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا.....!

ابھی یہ گفت و شنید جاری ہی تھی جب اچانک اس جتھے پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ مسلح نرنکاری سکھوں پر گولیاں برس رہی تھیں اور پولیس ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ پولیس کے ہندو ڈی ایس پی مسز جوشی نے کیرتی جتھے کے سربراہ فوجا سنگھ کی طرف پستول تانے ہوئے کہا۔

”تم اس شرارت کی جڑ ہو۔ تمہیں زعمہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے کئی گولیاں فوجا سنگھ کے جسم میں اتار دیں۔ ڈی ایس پی کی طرف سے اشارہ ملتے ہی پولیس نے بھی غیر مسلح سکھوں پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ پولیس اور نرنکاری اکٹھے ہو کر سکھوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے پرامن سکھوں کی لاشیں گرنے لگیں۔ 13 سکھ موقع پر مارے گئے۔ 78 شدید زخمی ہوئے جن میں سے بعض ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور کچھ عرصہ بستر مرگ پر گزارنے کے بعد مر گئے۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس قتل عام کے دوران نرنکاری اجتماع جاری رہا۔ اور اس سانحے کے چار گھنٹے بعد جب ان کے گورو نے اپنی تقریر ختم کر لی تو ان لوگوں نے منتشر ہونا شروع کیا۔ نرنکاریوں کی حفاظت کے لئے پولیس کی زائد نفری پہلے سے موجود تھی۔ ان لوگوں نے امرتسر شہر میں کرفیو کا ساماں پیدا کر دیا تھا اور جس راستے سے نرنکاری واپس جا رہے تھے اسی راستے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ نرنکاری گورو گورو بجن سنگھ کو پولیس اپنے خصوصی پہرے میں امرتسر کے ہوائی اڈے ”راجا سانسی“ تک لے کر آئی جہاں سے وہ ایک خصوصی پرواز کے ذریعے دہلی روانہ ہو گیا تاکہ مرکزی حکومت کو اپنی اس خصوصی کارکردگی سے خود آگاہ کر کے داد وصول کر سکے۔

آج سے پہلے سنت جرنیل سنگھ جھنڈرانوالہ کی حیثیت ایک مذہبی راہنما سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

لیکن.....! 13 اپریل 1978ء کے دن ان کی سیاسی زندگی کا آغاز بھارتی حکومت نے اس خوبی

یہ واقعہ خالصتاً کی موجودہ تحریک آزادی کا سنگ میل کہلاتا ہے۔ اس روز سکھوں نے جرنیل سنگھ بھنڈراوالے کی کمانڈ میں اپنے علیحدہ وطن کے حصول کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

جس نرنگاری اجتماع سے سکھوں پر گولی چلائی گئی تھی۔ اس میں مہمان خصوصی پنجاب کے مشہور اردو روزنامہ ”ہند سا چار“ کا ایڈیٹر لالہ جگت نرائن تھا۔ یہ وہی لالہ جگت نرائن ہے جسے اندس خالصتانی سکھوں نے گولیوں کا نشانہ بنایا۔!!

”مٹاپارٹی“ کے مقامی لیڈروں کی پشت پناہی بھی حملہ آوروں کو حاصل تھی۔!!
اس واقعے نے سنت جرنیل سنگھ بھنڈراوالہ کی شہرت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔

1۔ پہلی وجہ تو سنت جی کا روایتی نرنگاری مخالفت رویہ جس کی بنیاد پر انہیں سکھ دھرم کا محافظ سمجھا جانے لگا۔

2۔ دوسری اہم وجہ اکالیوں کی۔ یہ مخالفت۔
اکالیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سنت جرنیل کی شکل میں ان کے سر پر خطرے کی ایک مستقل ٹکوار لٹک گئی ہے اور جب تک وہ اس خطرے سے نمٹتا رہے گا تب تک ان کی سیاسی دکانداری ڈانواں ڈول رہے گی۔

انہوں نے فوری طور پر سنت جرنیل سنگھ کو اس واقعے کا وارنٹھرا دیا اور الزام لگایا کہ ان کی وجہ سے 13 سکھ مارے گئے اور درجنوں زخمی ہوئے۔ اکالیوں کا طوفان سے یہ بھی کہا گیا کہ سنت جرنیل سنگھ کانگریس کا ایجنٹ ہے اور اس نے اکالیوں کی سادھنا کرنے کے لئے یہ سارا ڈھونگ رچایا ہے تاکہ پنجاب میں اکالی وزارت کا خاتمہ کر کے کانگریس کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

دوسری طرف پولیس نے بھی سنت جرنیل سنگھ کو اس واقعے کا ذمہ دار قرار دے دیا اسی طرح جب حکومتی اور سیاسی سطح پر سنت جی کی مخالفت شروع ہوئی تو عام سکھ بھی سوچنے لگا کہ ضرور دال میں کالا ہے اور یہ مخالفت ہی دراصل سنت جرنیل سنگھ کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بن گئی۔

اب بڑی عجیب صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔!!
ایک طرف اکالی وزارت تھی جو اس واقعے کو دبا کر امن و امان قائم کرنا اور اپنی سرکاری کو

دوسری طرف سنت جرنیل سنگھ تھے جو ”سکھ شہیدوں“ کے خون کا حساب طلب کر رہے تھے اور فوری طور پر اس مقدمے کا فیصلہ چاہتے تھے۔

جن لوگوں کو اس قتل عام کے ضمن میں گرفتار کیا گیا ان پر بھنڈراوالے خصوصی عدالت میں کیس چلانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

اس ضمن میں سنت جی کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ہائی کورٹ ججوں کا غیر جانبدار بینل اس واقعے کی تفتیش کرے لیکن اکالی سرکار اس معاملے کو صوبے تک محدود رکھنا چاہتی تھی انہوں نے اسے یکسر رد کرتے ہوئے بھارتی آئین کے مطابق فوجداری مقدمہ قائم کیا اور سست رفتاری سے مقدمہ چلنے لگا۔

☆☆☆

اب تو سنت جرنیل سنگھ اور اکالیوں کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی تھی۔!!
گو کہ سنت جرنیل سنگھ نے ابھی تک کھل کر اکالیوں کی مخالفت نہیں کی تھی وہ ان سے صرف ایک ہی مطالبہ تکرار کے ساتھ دہرا رہے تھے کہ قاتلوں کو جلد از جلد کیفر کر داریں تاکہ پہنچایا جائے۔
اس کے برعکس اکالی اور کھیل کھیلنے جارہے تھے۔!!

سکھ سیاست میں بنیادی اہمیت جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ”گوردوارے“ کی ہے گوردواروں کے انتخابات نزدیک آ رہے تھے اور اکالیوں کو احساس ہو چکا تھا کہ عام سکھ چونکہ ان سے ناراض ہے اس لئے انہیں ”نرنگاری“ اور ”رادھا سوامی“ ووٹ دے گا۔

اس کے لئے اکالیوں نے باقاعدہ سودا بازی کی اور جیلوں میں قید نرنگاریوں سے ایک معاہدہ کر لیا کہ اگر ان کے ووٹ اکالی امیدواروں کو گئے تو اکالی انہیں جیلوں سے رہا کر دے دیں گے۔

اس خفیہ معاہدے کی ضرورت اکالیوں کو کیوں پیش آئی؟ عام سکھوں کی مخالفت کے علاوہ اس کی دو اہم وجوہات تھیں۔

1۔ سنت جرنیل سنگھ بھنڈراوالے کی ذاتی کوششوں سے ”اکال تخت“ نے جسے سکھ الٹاس میں مرکزی اہمیت حاصل ہے نرنگاریوں کے خلاف فتویٰ جاری کر دیا تھا جب کہ اکالی دل یہ نہیں چاہتا تھا۔

اکال تخت کی طرف سے جاری ہونے والے اس فتویٰ کے بعد اب ہر سکھ کی یہ تہ بھی

ذمہ داری بن گئی تھی کہ وہ نرکار یوں کے خلاف ہر سطح پر بغاوت کرے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

اس ”حکم نامے“ کی رو سے نرکاری سکھ مذہب کے باغی قرار پائے تھے اور یہ کریڈٹ بھنڈرانوالہ کو مل گیا تھا۔

2۔ عموماً گوردواروں پر اکالی دل ہی کی ایک شاخ گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کا قبضہ رہتا تھا لیکن اس مرتبہ بھنڈرانوالے نے ایک نئی مصیبت کھڑی کر دی اور کہا کہ گوردواروں کے انتخاب میں اسی سکھ کو حصہ لینے کی اجازت دی جائے جو ”امرت دھاری“ یعنی مکمل سکھ دھرم ناپابند و جبکہ اکالیوں کے پاس ایسے لوگ آئے ہیں جنک کے برابر تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی مصیبت اکالیوں کے لئے یہ بھی آئی کہ کھڑی ہوئی کہ دمی نکسال کے سابقہ چیف کرتا سنگھ کا بیٹا امریک سنگھ سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر بن گیا۔

امریک سنگھ جو کہ سنت جرنیل سنگھ کا فرماں بردار تھا اس لئے سنت جی اسے عملی سیاست میں لانا چاہتے تھے اور امریک سنگھ کو روحانی مطابقت کی وجہ سے سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن اور دمی نکسال ایک دوسرے کے بہت نزدیک آئے تھے اور جب نرکاریوں کے خلاف بطور احتجاج دہلی میں ”چپ چلوں“ نکلانے کا اعلان ہوا تو سنت جی کے حکم پر ہزاروں سکھ نوجوان وہاں پہنچ گئے اور اکالی دل کی مخالفت کے باوجود بہت کامیاب جلوہ کالایا۔

جب سنت جرنیل سنگھ کی طرف سے گوردوارہ انیش میں ”امرت دھاری“ سکھوں کا اعلان ہوا تو اکالی شپٹا گئے اور انہوں نے سنت جی کو رام کرنے کے لئے اپنے بہت ہوشیار اور گھاگ سیاسی لیڈر راجا گر سنگھ سکھوں کو بھیجا۔ جس نے سنت جرنیل سنگھ نے ملاقات کر کے انہیں اپنے جال میں پھانسا چاہا لیکن بھنڈرانوالے قابو نہ آئے۔ اس مرحلے پر دونوں کے درمیان دو ٹانگو ہوئی وہ کچھ اسی نوعیت کی تھی۔

اجاگر سنگھ..... آپ نے یہ کیا مصیبت کھڑی کر دی۔

بھنڈرانوالے..... شرومنی اکالی دل نے اپنے گوردواروں کے انتخابات لڑنے کے لئے جو فارم امیدواروں کا شائع کیا ہوا ہے اس میں یہ بات درج ہے کہ وہ صرف ان امیدواروں کو کنٹ جاری کرے گا جن کا سارا خاندان ”امرت دھاری“ ہوگا۔ آپ نے جن کو کنٹ جاری کئے ہیں کیا ان کے خاندان ”امرت دھاری“ ہیں۔

اجاگر سنگھ..... سارے امرت دھاری نہیں۔

بھنڈرانوالے..... کیوں؟

اجاگر سنگھ..... سارے امرت دھاری مل نہیں سکتے۔

بھنڈرانوالے..... اگر 46 سال میں آپ لوگ 140 ”امرت دھاری“ سکھ پیدا نہیں کر سکتے تو آپ کو سکھوں پر حکومت کرنے کا حق نہیں دیا جاسکتا۔ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ اور کرسیاں خالی کر دو۔ (خیال رہے کہ شرومنی اکالی دل کو قائم ہوئے 56 سال ہو چکے تھے اور 140 گوردواروں میں انتخاب ہو رہا تھا۔)

اجاگر سنگھ..... آپ کے پاس 140 ”امرت دھاری“ سکھ ہیں۔

بھنڈرانوالے..... ہاں۔ مین 140 سکھ دیتا ہوں آپ انہیں نکٹ جاری کریں۔

اجاگر سنگھ..... مجبوری ہے۔

بھنڈرانوالے..... اگر مجبوری ہے تو صاف کہہ دو کہ ہم کرسیاں نہیں چھوڑنا چاہتے مذہب کے نام پر پا کھنڈ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

☆☆☆

میدان ہاتھ سے لٹکا دیکھا کہ اکالی دل نے پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ سنت جی کو کانگریس کی طرف سے بہت سا پیسہ ملا ہے اور وہ اس کے بل بوتے پر اب سکھوں کے گوردواروں پر کانگریس کا قبضہ کر دانا چاہتے ہیں۔

سنت جرنیل سنگھ کی عادت تھی کہ وہ خود پر ہونے والی تنقید کا جواب نہیں دیا کرتے تھے اور اپنا کام کرتے رہے تھے۔ انہوں نے اکالی دل پر آخری چوٹ اس وقت لگائی جب شرومنی اکالی دے کے پردھان عمر سنگھل کے مقابلے پر امریک سنگھ کو کھڑا کر دیا۔

اس حملے نے اکالی دل کو بوکھلا کر رکھ دیا.....!!

اس وقت کے اکالی چیف فشر پر کاش سنگھ بادل نے اب بھنڈرانوالہ مخالفت کی کمان سنبھال لی تھی۔

اکالی دل نے یہ پروپیگنڈہ تیز کر دیا کہ سنت جرنیل سنگھ چونکہ نرکاری سکھوں کے مخالف ہیں اس لئے انہیں ووٹر نہ بننے دیا جائے..... اس ضمن میں اکالیوں نے اپنے ایک خاص رکن سابقہ ڈائریکٹر ہیلانہ پنجاب سردار موہن سنگھ کے ذریعے پنجاب اور ہریانہ ہائی کورٹ میں اپیل بھی دائر کر دی۔

لیکن.....!

بری کر دیا۔

حکومتی سطح پر پہلے ہی نرنکاریوں اور اکالی دل کے درمیان یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ فیصلے کے خلاف اپیل نہیں کی جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

اس پر نرنکاری تکبر کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے سکھوں کو طعنہ دیتے ہوئے کہا۔

”تمہارا گورو 52 آدی رہا کروا کے لایا تھا جبکہ ہمارے گورو نے 60 آدی بری کروائے ہیں۔“

یاد رہے کہ اس مقدمے میں 64 نرنکاری گرفتار ہوئے تھے گور بچن سنگھ کی ضمانت ہو گئی تھی اور تین ملزم الگ رکھے گئے تھے باقی نرنکاری گورو کے ساتھ تھے۔

جج نے اپنے فیصلے میں پولیس، سرکاری دکیل اور صوبائی حکومت کو مکمل ثبوت اور گواہیاں فراہم کرنے کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔

اس صورتحال نے سنت جی کے غصے کو اور بڑھایا۔ اب انہوں نے کھل کر اکالیوں کی مخالفت شروع کی اور 13 سکھوں کا خون نرنکاریوں کے ساتھ ساتھ ان کے گلے بھی ڈال دیا۔

وہ اپنی تقاریر میں سکھوں کو واضح اشارے دیتے گئے کہ اگر اکالیوں کی عدالت نے نرنکاریوں کو بری کر دیا ہے تو سکھ ”اکال پرکھ“ (خدا تعالیٰ) کی عدالت کے فیصلے پر عمل کریں۔

اس صورتحال کا نتیجہ تھا کہ سکھوں میں اشتعال بڑھنے لگا۔ دوسری طرف نرنکاریوں کے حوصلے بھی بڑھتے چلے گئے۔

نرنکاری گورو گوبچن سنگھ نے سنت بھنڈرانوالہ کے خلاف تقاریر کا سلسلہ جاری رکھا اسے در پردہ اکالی دل کی مکمل حمایت حاصل تھی جس کی مدد سے اس نے پنجاب کے کونے کونے میں جا کر سکھوں کو یہ باور کروانا چاہا کہ ان ہنگاموں کی ذمہ داری بھنڈرانوالہ پر عائد ہوتی ہے۔

اکالیوں نے دکھاوے کے لئے 6 ماہ کی پابندی اسی پر عائد کی لیکن مرکزی حکومت نے یہ پابندی ختم کر دی اور اسے پولیس کی خصوصی گارڈ بھی مہیا کر دی گئی۔ پولیس کی سگینوں کے سائے میں گواس نے پنجاب کا دورہ کامیاب بنالیا لیکن چند ہی روز بعد 24 اپریل 80ء کو جب رات کے ساڑھے گیارہ بجے گور بچن سنگھ اپنی بیوی کلونت کور اور نرنکاری سیوا دل کے کمانڈر انچیف پر تپ سنگھ سمیت نرنکاری بھون کے سامنے ایک ”سنگم“ سے واپس پہنچا تو کسی نے نرنکاری بھون کے کمرے سے ہی گولی چلائی جس سے اس کا کمانڈر انچیف پر تپ سنگھ اور گور بچن سنگھ موقع پر ہی مارے گئے۔

ان کی ایک نہ چل سکی۔

اپیل ہائی کورٹ نے یہ کہہ کر روک دی کہ اب انتخابات کا اعلان ہو چکا اور ووٹرز لسٹ فائل ہو چکی ہے۔ اس میں رد و بدل ممکن نہیں۔

اس کے بعد اکالی دل نے جیل سازی کا آغاز کیا اور قریباً ہر نرنکاری اور رادھا سوامی کو ووٹر بنالیا۔

بھیدار عمر انسنگل نے کرناٹ جیل میں بند نرنکاری منزل کے سینئر ممبر گوبند سنگھ سے ملاقات کرے اسے پیش کش کی کہ اگر وہ نرنکاریوں کو حکم جاری کر دے کہ وہ عمر انسنگل کو ووٹ دیں گے تو ان کی رہائی کی کوشش کی جائے گی۔

گوبند سنگھ نے خفیہ ہدایت اپنے پیروکاروں کو جاری کر دی۔ جس میں کہا گیا کہ ہر نرنکاری شرومنی اکالی دل کو ہی ووٹ ڈالے۔

گوردوارہ ایکشن میں اکالی سرکار نے ہر ممکن بے ایمانی کی اور پولیس کی مدد سے کئی جگہ سنت جرنیل سنگھ کے حامیوں کو ووٹ ڈالنے سے روکا گیا۔ خصوصاً عمر انسنگل کی جیت کو ممکن بنانے کے لئے ہر ممکن بے ایمانی کی گئی۔ کیونکہ ان کا دل جانتا تھا کہ اگر عمر انسنگل کو شکست ہو گئی تو ان کی سیاست کا جنازہ اٹھ جائے گا۔

عمر انسنگل ایکشن میں کامیاب تو ہو گیا۔

لیکن.....!

اکالی دل کو علم ہو گیا تھا کہ اب پنجاب میں ایک مستقل اور ان کے سر پر مسلط ہو چکا ہے۔

اس گوردوارہ ایکشن نے سنت بھنڈرانوالہ کو ایک ہیرو کی حیثیت سے ابھر کر کے میں اہم کردار ادا کیا۔

4 جنوری 1980ء

سکھ اتھاس کا اگلا اہم موڑ ہے۔

اکالی دل نے اپنے وعدہ پورا کیا اور نرنکاریوں کی مدد سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد حق نمک ادا کرنے کے لئے ان کے خلاف سرکاری گواہوں کو کیس سے الگ کر لیا۔ حکومتی سطح پر کوئی ایسے شواہد نہ چھوڑے گئے جن کی مدد سے نرنکاری اپنے انجام کو پہنچتے۔

اس روز کرناٹ کی سیشن کورٹ میں سیشن جج آرائیس گپتا نے نرنکاریوں کو اس مقدمے سے

نرنکاری کبھی گوبند سنگھ نے اس قتل کا الزام سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ پر لگایا اور اپنے پولیس کو دیئے گئے بیان میں تکرار کے ساتھ یہ بات کہی کہ بھنڈرانوالہ نے نرنکاری گورچن کے قتل کا اپنے پیروکاروں کو نہ صرف حکم دیا بلکہ اسے ”پنٹھ“ کی بڑی خدمت بھی بتایا۔

بھنڈرانوالہ کی اس بات کی کوئی پردان نہیں تھی کہ ان پر کیا الزام لگایا گیا اور کون لگا رہا ہے۔ نرنکاری گورو کے قتل پر انہوں نے قاتلوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے علی الاعلان کہا۔

”گورچن سنگھ کے قاتلوں نے سکھ قوم کی پاؤں تلے روندی گئی عزت

گتی ہوئی موچھ اور اپنی ماں کے پئے دودھ کی لاج رکھی ہے اور گردن پر

گھٹا رکھ کر شہیدوں کے خون کا بدلہ لیا ہے۔“

☆☆☆

پر تاپ کو رنام تھا اس کا.....!!

عمر تو اس کی چالسی کے لگ بھگ رہی تھی۔

لیکن.....

اس عمر میں وہ سر تاپا قیامت تھی۔ بہت بڑے سرکاری افسر کی بیوی ہونے کے ناطے اس نے بڑی تیزی سے کامیابی کی منازل طے کی تھیں۔

امر تر سے لدھیانے تک اس کی دھوم مچی تھی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اس کے خاوند کی تیزی سے ترقی کا راز کیا ہے!

پولیس انسپکٹر سے وہ دنوں میں ایس ایس بنا تھا۔ اس کے کورس فیلو جیران تھے کہ مہندر سنگھ کو کون سے ایسے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں جنہوں نے اسے یوں دیکھتے ہی دیکھتے زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔

حالانکہ.....!

وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے لئے ہمیشہ ایک بد نما داغ رہا تھا۔

اس کی کی رشوت ستانی کے قصے زبان زد خاص و عام تھے۔ بے گناہوں کا گناہ گار اور گناہ گار کو بے گناہ ثابت کر دینا مہندر سنگھ کے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا تھا۔ اس نے اپنی سردس میں نبھانے کتنے قاتلوں کو بری کر دیا اور کتنے بے گناہوں کو تختہ دار پر پہنچایا تھا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جس شہر میں بھی تعیناتی ہوتی اس کے قصے اس کی اس شہر میں آمد سے پہلے ہی یہاں پہنچ جاتے اور اخبارات اس کی آمد سے پہلے ہی آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

لیکن.....!

جیسے ہی وہ اپنا چارج سنبھالا آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جاتا۔

لوگ کہتے تھے اس کے پس پردہ پر تاپ کو رہی..... کسی بھی اخبار کے ایڈیٹر کو اس کی محض ایک جھلک ہی کافی تھی.....!

اس کے پاس کسی کو بھی ”رام“ کر لینے کے لئے سب کچھ تھا۔ حسن، جوانی، دولت شباب اور

سب سے بڑھ کر دھمکی.....!!

وہ دھمکی جس پر وہ عمل کر دینے کی قوت بھی رکھی تھی۔ جب کبھی بھی ایماندار افسر نے ہر مہندر سنگھ کی حرکات کا نوٹس لیا اسے منہ کی کھائی پڑی۔

پر تپ کو ایک رات گھر سے باہر رہتی اور سارا کام ”او۔ کے“ کروا کے واپس لوٹ آتی۔ اس کی رنگینیاں زبان زد خاص و عام تھیں۔ بڑے بڑے اعلیٰ افسران اس کی قربت کے مشتاق رہتے تھے۔ جس شہر میں بھی وہ ہوتی وہاں کی راتیں اس کے دم سے دن کی روشنی کو شرمانے لائیں.....!!

کوئی تعزیر اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی تھی۔ پر تپ کو کو علم تھا کہ کس افسر کی کون سی نبض پر ہاتھ رکھ کر وہ کام کر سکتی ہے۔

لیکن.....! جس روز لوگوں نے سنا کہ اس نے دربار صاحب میں مستقل ڈیرے ڈال دیئے ہیں تو بڑے بڑوں نے اپنے دانتوں میں انگوٹیاں بٹے لیں۔

نجانے اسے کیا ہوا کہ ایک روز جب وہ جانے کس تریگ میں دربار صاحب تھا ٹہننے لگی تو وہاں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کا گور بانی رہنکر ہو رہا تھا۔ خدا جانے اس کے دل میں کیا سمانی کہ واپسی کا ارادہ ترک کر کے وہ سنت جی کا لیکچر سننے لگی۔!!

اس کے ہمراہی حیران تھے کہ پر تپ کو بڑھ کر ٹھننے کا کام ہی نہیں لے رہی تھی۔ پہلے تو انہوں نے اسے بھی پر تپ کو کی کوئی ادا جانا اور سوچا کہ وہ بھروسہ دیر بعد اٹھ کر آ جائے گی۔

لیکن.....! ان کی حیرت پریشانی کا روپ دھارنے لگی جب پر تپ کو نے وہاں سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اب وہ باقی ساری زندگی سنت جی کے چرنوں میں ہی گزارے گی۔

اس کے خاوند اور دو جنونی عاشقوں نے اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ پر تپ کو نے اپنے تمام پرانے ناطے توڑ دیئے تھے اور سب کو ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کے قدموں میں اسے جکڑ ل جائے۔

تین روز تک وہ دربار صاحب میں سنت جرنیل سنگھ اور ان کے جتھے کے لوگوں کی ”سیوا“

کرتی رہی۔ اس نے لنگر خانے میں ”سیوا“ کرنے کی ڈیوٹی سنبھالی تھی اور یہاں دیوانہ وار کام کر رہی تھی۔

لوگ حیران تھے کہ اتنی ماڈرن اور عیاش عورت پر سنت جرنیل سنگھ نے کیا سحر پھونک دیا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر صرف دھرم کی پرچارک بن گئی ہے۔

اخبارات نے پر تپ کو سے متعلق عجیب عجیب افسانے تراشے کسی نے اسے پر تپ کو کی ادا جانا اور کسی نے اس کا ”پراشچت“ قرار دیا..... جلد ہی اخبارات کو بھی یقین ہونے لگا کہ وہ کوئی ڈرامہ نہیں رچا رہی واقعی اس نے خود کو سکھ دھرم کی ”سیوا“ کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔

دسویں روز پر تپ کو نے سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کے ہاتھوں ”امرت سنجار“ کر لیا۔ امرت سنجار کرنے کے بعد کوئی بھی سکھ مکمل سکھ بن جاتا ہے اور اسے صبح شام نہ صرف ”گور بانی“ کا دتین گھنٹے پانچھ کرنا پڑتا ہے بلکہ زندگی بھر کبھی شراب نشہ اور اشیاء اور گوشت انڈہ وغیرہ کو چھو بھی نہیں سکتا۔ یہ معمولی فیصلہ نہیں تھا۔ زندگی کی ساری عیاشیوں کو اچانک ”تیاگ“ کر یہ راستہ اپنا لینا تلوار کی دھار پر چلنے والی بات تھی۔

یہ دس دن اس نے دربار صاحب ہی میں بسر کئے تھے۔ اس درمیان اس کی قیمتی پوشاک اتر گئی تھی اپنے جسم پر موجود تمام زیورات اس نے سنت جی کے قدموں میں رکھ کر ان کی فردخت سے حاصل ہونے والی آمدنی ”بھنڈرا نوالہ جتھے“ کے سپرد کر دیئے کا اعلان کیا تھا اور ”سکھی بانا“ (ایک مخصوص لباس جو بہت سادہ ڈھیلا ڈھلا اور سوتی کپڑے کا بنا ہوتا ہے) پہن لیا تھا۔ اس نے اپنے سر پر جتھے کی سکھ عورتوں کی طرح پگڑی باندھ لی تھی جس پر دوپٹہ اوڑھا جاتا تھا۔ پر تپ کو کے گلے میں نہ صرف چھوٹی سی کرپان رہتی تھی ایک بڑی کرپان اس نے اپنے ہاتھ میں بھی تھامنا شروع کر دی تھی۔

☆☆☆

سنت جرنیل سنگھ اپنے جتھے کے ساتھ ان دنوں پنجاب کا طوفانی دورہ کر رہے تھے۔ وہ گاؤں گاؤں جاتے۔

سکھوں کو ان کی مذہبی تعلیمات سے آگاہ کرتے.....!

ان کے تباہ شدہ حال اور بھیانک مستقبل کی تصویر انہیں دکھاتے۔

اور.....

انہیں اپیل کرتے کہ اب بھی دقت ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں اور ہندوؤں کے

ان کی خفیہ سرگرمیوں سے آگاہ رہنا ناگزیر تھا.....!

اور

اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ سنت جرنیل سنگھ کے نزدیکی حلقے میں انٹیلی جنس کے آدمی داخل ہوائیں۔

دوسری طرف سنت جرنیل سنگھ کی حفاظت کی ذمہ داری سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پردھان امریک سنگھ نے سنبھال رکھی تھی۔ سینکڑوں کی تعداد میں پنجاب کے کونے کونے سے سکھ نوجوان ان کی حفاظت کے لئے موجود رہتے تھے۔ یوں تو سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ہزاروں کارکن سنت جی کا دم بھرنے لگے تھے اور بھنڈرانوالہ کی شکل میں انہیں ایک ایسا راہنما میسر آ گیا تھا جو ان کے مفادات پر سودے بازی کئے بغیر ان کے مستقبل کو داؤ پر لگائے بغیر اور ہندو کی سازش کو سمجھتے ہوئے ان کی راہنمائی صحیح منزل کی طرف کر رہا تھا لیکن سینکڑوں نوجوان وہ تھے جو اپنا گھریا چھوڑ کر امرتسر میں ان کے گرد جمع ہونے لگے تھے.....!

ان نوجوانوں کی کمانڈ امریک سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔

امریک سنگھ لکسال کے سابقہ جتھیدار اور سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے پیشرو کا بیٹا تھا۔ اس طرح اسے سنت جی سے ایک روحانی نسبت بھی تھی جو روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اس مرتبہ جب سنت جرنیل سنگھ اپنے جتھے کے ساتھ پنجاب کے دورے پر نکلے تو جہاں امریک سنگھ اور اس کے درجنوں ساتھی سنت جی کے پاؤں گارڈز اور ”سیوا داروں“ کے روپے میں ان کے ہمراہ چل رہے تھے وہاں پر تاب کور بھی ان کے ساتھ تھی۔

اس نے روایتی سکھ عورتوں کی طرح خود کو سکھی اصولوں کے مطابق ہتھیاروں سے سجا رکھا تھا۔ دن رات گود گور بانی پڑھتی اور سنت جی کی بڑھ چڑھ کر سیوا کرتی تھی۔

اتنی مشہور اور سوسائٹی کی جانی پہچانی عورت کو سنت جرنیل سنگھ کے ہمراہ دیکھ کر لوگ بہت متاثر ہوتے تھے اور بہت سے نوجوان پر تاب کور کے ”درشن“ کرنے کے لئے بھی سنت جی کی محفل میں آ جایا کرتے تھے۔

اس مرتبہ جب سنت جی اپنے دورے سے واپس لوٹے تو ان کے پیروکاروں نے اس بات کو بطور خاص محسوس کیا کہ اس مرتبہ ان کا دورہ اُمید سے بڑھ کر کامیاب رہا ہے اور بہت زیادہ

ہاتھوں بندروں کی طرح ناپنے کی بجائے اپنے قومی شخص کی فکر کریں جسے تباہ کرنے کے لئے بھارتی حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔

سنت جرنیل سنگھ جس گاؤں یا شہر میں تبلیغ کے لئے جاتے وہاں کے سکھوں کو خاص طور پر اس بات کی نصیحت کرتے کہ وہ مسلح رہا کریں۔

ان کی یہ خصوصی ہدایت تھی کہ پنجاب کے ہر دیہات میں دو موٹر سائیکل اور چار راہنمائیں ہونا ضروری ہیں۔

وہ سکھوں سے کہا کرتے تھے کہ ان پر ایک خوفناک رات مسلط ہونے والی ہے اور قہر کی آگ انہیں ان پر ٹوٹنے لگی جس کے سامنے انہیں اپنے جسموں کے بند باندھنے ہوں گے۔

اپنے پیروکاروں کو بتایا کرتے تھے کہ جس طرح ان کے گورو صاحبان نے ہر سکھ کو ”مستتر دھاری“ (مسلح) رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد کسی بھی سکھ کا غیر مسلح رہنا ٹھیک نہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے پیروکاروں کو جدید اسلحہ اپنے پاس رکھنے اور اس کی تربیت حاصل کرنے کا درس دیا کرتے تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ زمانے کے حالات کے مطابق ان لوگوں کو ہتھیار اٹھانے چاہئیں۔ کرپان سکھ کی شان ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کھ صرف کرپان پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے بلکہ اسے جدید اسلحہ بھی اپنے پاس رکھنا چاہیے.....!

سنت جی کے ان بیانات کو حکومت بے حد تشویش کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ گودہ کوئی پڑھے لکھے آدمی نہیں تھے اور انہوں نے سکول میں صرف پرائمری تعلیم حاصل کی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے پہلے پہل ان کے بیانات کا ”سناٹا“ نہیں لیا۔

لیکن.....!

اب بھارتی حکومت محسوس کرنے لگی تھی کہ سنت جرنیل سنگھ آتش فشاں ہے جو کسی بھی لمحے پھٹ جائے گا۔

انہیں دن رات یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ سنت جی کے اٹھائے ہوئے طوفان سے کیسے عہدہ برا ہوا جائے۔

اس کے لئے ضروری تھا کہ کسی بھی طرح ان کے جتھے میں اپنے ”مداخلت کار“ داخل کئے جائیں۔ بھارتی انٹیلی جنس کو اب سنت جی کی نظر میں ایسا طوفان دکھائی دینے لگا تھا جو کسی بھی لمحے ان کو راکھ کی طرح اڑا لے جاتا۔ انہیں سنت جی کے پل پل کی خبر چاہئے تھی۔

امر تر کے بجلی گھر انٹرو گیٹ سنٹر پر موت کا سنا طاری تھا۔

صرف پیرے والوں کے قدموں کی چات تھی جو کبھی کبھی اندھیرے کے اس سناٹے میں چیخ بن کر گونجنے لگتی تھی۔

بجلی گھر کا انٹرو گیٹ سنٹر مقامی آبادی کے لئے دہشت اور خوف کی علامت بنا ہوا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ اس میں داخل ہونے والا اول تو زندہ باہر آ ہی نہیں سکتا اگر خوش قسمتی سے آ بھی جائے تو اس کا جسم کبھی مکمل نہیں ہوتا۔

جس وحشیانہ طریقے سے یہاں مشتبہ دہشت گردوں کی تفتیش کی جاتی تھی اس کی کہانیاں ایک طرح سارے پنجاب اور بھارت میں پھیلنے لگی تھیں۔

کبھی کبھی جب امر تر کے کسی نواحی قصبے یا دیہات میں کسی ”پولیس جعلی مقابلے“ میں مارے جانے والے نوجوان کی سخی شدہ لاش ملتی تو علاقے میں کہرام مچ جاتا۔

عموماً یہ لاشیں ناقابل شناخت ہوتی تھیں۔ جسم پر اتنا تشدد کیا جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا تھا۔ بجلی کے شاک سے جسم جلانا تو معمول کی بات تھی یہاں متعدد ایسی لاشیں ملتی تھیں جن کے جسموں میں سوراخ کئے ہوئے ہوتے تھے۔

یہ وحشت اور ہمنیت کی انتہا تھی۔

ان لوگوں کا تعلق سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کے جتھے سے تھا جیسے ہی انٹیلی جنس کو خبر ملتی کہ سنت جی کے جتھے میں فلاں نوجوان حریت پسند اندھکاروائیوں میں ملوث ہے اسے بڑے پراسرار طریقے سے اغوا کر لیا جاتا۔ ان دنوں نوجوانوں کو دربار صاحب یا ان کے گھروں سے اغوا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ گھر اور دربار صاحب کے راستے ہی سے وہ غائب ہو جاتے تھے۔

کہیں بھی راہ چلتے ایک ”چھپی“ جب ان کے نزدیک آ کر رکتی جس میں سے پانچ چھ مسلح سفید پوش برآمد ہوتے اور اس نوجوان کو اٹھا کر جیب میں پھینک دیتے۔ کسی کی جرأت نہیں تھی کہ وہ ایسی پراسرار چھپوں کی طرف نظر اٹھ کر دیکھنے کی ہمت بھی کرے لوگ چپ چاپ کان لپیٹ کر نکل جایا کرتے تھے۔

امر تر میں ایسے اغوا ہونے والے نوجوانوں کی منزل بجلی گھر کا یہ تفتیشی مرکز تھا جہاں تھائی نما

تعداد میں سکھوں نے ”امرت سنجار“ کیا ہے.....!!

دورے سے واپسی پر امریک سنگھ نے پرتاب کور سے خصوصی ملاقات کی وہ اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں پرتاب کور کی شکل میں بھارتی انٹیلی جنس نے اپنی ایجنٹ توان میں داخل نہیں کر دی۔

امریک سنگھ اندازہ نہ کر سکا کیونکہ اسی کی تنظیم کا دوسرا سرکردہ راہنما ہر مندر سنگھ سندھو جو نیشنل کابینل سیکرٹری تھا۔ پرتاب کور کی شخصیت کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتا رہا۔

جب بھی امریک سنگھ کو اس پر شک گزرتا ہر مندر سنگھ سندھو فوراً گفتگو کا رخ بدل دیتا اور کبھی اس کا خیال بھی اس طرف نہ جانے دیتا (یہ وہی ہر مندر سنگھ سندھو ہے جسے بعد میں سکھ حریت پسندوں نے 1990ء میں انداری کے الزام میں مار ڈالا تھا۔)

پرتاب کور کی سرگرمیاں پہلے پہل تو بھنڈرا نوالہ جتھے کے کچھ جانثاروں کے نزدیک مشکوک تھیں پھر انہیں اس بات کا یقین کرنے لگا کہ واقعی پرتاب کور اب وہ نہیں رہی اور اس کی آمد بھی کسی سازش کی کڑی نہیں.....!!

پرتاب کور کو اب بھنڈرا نوالہ جتھے کا خاصا اعتماد حاصل ہو گیا تھا اور اس کی سرگرمیاں بھی روز بروز بڑھنے لگی تھیں۔ وہ نہ صرف سنت جی کے جسے ساتھ جاتی بلکہ اب اس نے باقاعدہ ”کیرتین“ (سکھوں کا مذہبی گانا) بھی شروع کر دیا تھا.....!!

کچھ عرصہ بعد پرتاب کور نے امر تر شہر کے ماڈرن علاقے میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ لیکن.....!

پرتاب کور نے اپنے پولیس آفیسر خاند کی شکل دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے اس نے یہ بتائی کہ اس کا خاند اس پولیس کا کارندہ تھا جس نے سنت جی اور ان کے ساتھیوں پر ظلم ڈھایا تھا۔

پرتاب کور نے اپنے خاند سے کہا تھا کہ وہ استعفیٰ دے کر اس کی طرح سنت جی کے جتھے میں شامل ہو جائے اور ”سکھ پینتھ کی چڑھ دی کلا“ کے لئے کوشاں ہو.....!!

اس طرح پرتاب کور راتوں رات سکھوں کے دھارمک حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے لگی۔ اس کے اس اقدام کو بہت سراہا گیا۔ وہ اخبارات جو پرتاب کور کو فحشہ اور ریاکار عورت لکھا کرتے تھے وہی اب اسے سکھ دھرم کی عظیم ہیرو کا سمجھنے لگے تھے۔

چھونے لگتے۔

جیسے ہی ایس پی بھلہ کی جیب آئی۔ ایک مستند محافظ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ آج بھی معمول کے مطابق ایس پی صاحب جیب خود چلا رہے تھے۔ وہ رات کے کسی بھی پہر میں عموماً اکیلے ہی اس طرف آیا کرتے تھے یا کبھی کبھی کوئی ”مخبر“ ان کے ساتھ ہوتا لیکن آج آنے والے نے جس طرح اپنی شناخت چھپانے کی کوشش کی تھی اس سے پہرے داروں کا چونکنا ضروری تھا۔

دوسری سمت کا دروازہ جس گارڈ نے کھولا اس نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ ایس پی صاحب کے ہمراہ آنے والے نے زنانہ جوتے پہن رکھے ہیں جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی عورت ہے.....!!

اس سے زیادہ اندازہ وہ نہ لگا سکا۔

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اگر یہ اطلاع اس سے آگے نکل گئی تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ وہ بے چارہ یہ بات کسی سے کہہ نہیں سکتا تھا۔
کون تھا؟.....

معمول کے مطابق اس کے دوسرے ساتھی نے دونوں کے دفتر پہنچنے کے فوراً بعد اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”معلوم نہیں میں نے غور نہیں کیا۔“..... اس نے جواب دیا۔

”یار مجھے تو کچھ گڑبڑ دکھائی دیر ہی ہے۔ دال میں کچھ کالا ہے“ پہلے نے اپنی رائے ظاہر کی۔

”پرکاش! بے وقوف نہ بنو۔ تم جانتے ہو اگر اس گفتگو کی بھٹک بھی ایس پی صاحب کے کانوں

میں پڑھے گی تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔“

پہلے نے اپنے ساتھی پر کاش سے کہا۔

”ہاں یار ہمیں کیا نرک (جہنم) میں جائے جو کوئی بھی ہے۔ ہمیں تو اپنے کام سے کام رکھنا

ہے۔ گدھے کا ماس کتا کھائے۔“

پرکاش نے بھی صورت حال کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا۔

دونوں خاموشی سے اپنی جگہ جم کر کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

ایس پی بھلہ نے اپنے کمرے کی واحد کھڑکی کے سامنے پردہ تان لیا تھا اور اپنے پہرے

داروں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ کسی کو اس ایریا میں بھی آنے کی اجازت نہ دیں۔

درندے انگلی جنس افسران کے روپ میں کسی بھی ایسے شکار کے منتظر رہتے تھے۔ کسی بھی ایسے نوجوان کو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا۔

وہ درندوں کی طرح اس پر پل پڑتے اور تب تک اسے درندگی کا نشانہ بناتے رہتے جب تک کہ وہ بے ہوش نہ ہو جاتا۔

ہوش میں آنے پر اس نوجوان کو پانچ منٹ کی مہلت دی جاتی جس کے بعد تشدد کا عمل دوبارہ شروع ہو جاتا اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا جب تک کہ اس کے جسم اور روح میں تعلق قائم ہے۔ اس کے بعد اس کی لاش پولیس ٹرک میں ڈال کر کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دی جاتی جہاں پولیس کے جیلے لاش پھینک کر ہوائی فائرنگ کر کے مقابلے کا تاثر دیتے اور پھر اس کی لاش پولیس کارروائی کے بعد دریا کے حوالے کر دی جاتی۔

اخبارات کو اس لاشوں کی تصاویر شائع کرنے کی اجازت نہیں تھی نہ ہی ان کے ”انسٹم سنکار (آخری رسومات)“ کا ادا ہونے کی اذیت دی جاتی تھی۔ پولیس اپنے پہرے میں لاش کو ”شمشان گھاٹ“ تک لے جاتی اسے ”تشریف“ دیا جاتا۔

اکثر یہ بھی ہوتا کہ لاش کے ”تاء“ بھی اپنے پیارے کے آخری درشن نصیب نہیں ہوتے تھے۔
☆☆☆

ایس پی بھلہ کی اس وقت آمدیوں تو اپنے ساتھی نہیں تھے، کیونکہ وہ رات کے کسی پہر بھی اچانک کسی خفیہ مشن پر یہاں آ جایا کرتا تھا۔
لیکن.....!

چونکہ دینے والی بات تو اس کے ساتھ کسی کی موجودگی تھی۔ اندھڑے میں ایس پی کی جیب کے اندر موجود دوسرے آدمی کا چہرہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے جسم کو چار میں اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ سر پر باندھی گئی اور آنکھوں کے علاوہ قریباً سارا جسم ہی چھپا ہوا ہے۔

ایس پی بھلہ کی جیب پر نظر پڑتے ہی پہرے والوں نے دروازے کھول دیئے تھے۔ اس کی جیب قلعہ نما عمارت کے دروازے سے گزرتی سیدھی اپنے آفس کے سامنے جا کر رکھتی تھی۔ جس کے باہر مستند گارڈز اس کے احترام کے لئے موجود تھے۔ ایس پی بھلہ کے گارڈز جانتے تھے کہ ایک لمحے کی نیند ان کی جان کا عذاب بن جائے گا۔

یہاں معمولی غفلت کی کم از کم سزا ملازمت سے برطرفی تھی۔ اس لئے ایس پی یہاں موجود ہو یا نہ ہو یہ لوگ ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ معمولی آہٹ پر ان کے ہاتھ بے اختیار اٹکلوں کے ٹریگرز کو

آج خلاف معمول اس نے اپنے کسی ماتحت کو چائے یا کافی کے لئے بھی نہیں کہا تھا ورنہ اس کی عادت تھی کہ وہ کم از کم چائے یا کافی ضرور منگوایا کرتا تھا۔

اپنے کمرے کو ڈبل لاک لگانے کے بعد جب ایس پی صاحب اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ان کے ہمراہی کو اطمینان ہو گیا کہ اب وہ یہاں مکمل محفوظ ہے تو اس نے اپنے جسم پر لپٹی چادر اتار کر کرسی پر رکھ دی۔

یہ پرتاب کور تھی.....!!

بھارتی انٹیلی جنس ”را“ کا سب سے کامیاب کردار۔

انھوں کی طاقت کو اندر سے توڑنے کے لئے سب سے موثر ہتھیار.....

اور.....

سنت جرنیل سچہ چند رائوالہ کے قریبی ساتھیوں میں ہر مہندر سنگھ سندھو کے بعد ”را“ کی سب سے مضبوط ایجنٹ۔

ایس پی بھلہ جو اپنی شرانوشی اور زنا کاری کی وجہ سے سارے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بدنام تھا۔ پرتاب کور کے سامنے سبھی کی بی کی طرح بیٹھا تھا..... اور اس نے اپنے لاکر کا تالا کھولا اور تصویر کا ایک البم نکال کر پرتاب کور کے سامنے رکھ دیا۔

”کوئی سیوا ہو تو حکم کیجئے“..... کہتے ہوئے وہ اس کے سامنے مز پر بیٹھ گیا۔

مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ میری سہا آمد کی کسی کوکانوں کانوں خبر نہیں ہونی چاہیے“..... پرتاب کور نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

البم میں لگی تصاویر کو وہ بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ایس پی بھلہ گردن لٹکائے اس کی طرف متوجہ تھا کیونکہ دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔

بالا آخر پرتاب کور کی نظریں ایک تصویر پر جم کر رہ گئیں.....!

تصویر کے خدو خال پر غور کرنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکالیا۔

یوں دکھائی رہا تھا جیسے وہ چشم تصور میں کسی کا چہرہ لا رہی تھی.....!!

چند سیکنڈ تک تصویر پر نظریں جمانے کے بعد اس نے دوبارہ وہی انداز اختیار کیا پھر بڑے اعتماد سے اس نے اپنے ہاتھ کی انگلی تصویر جمادی.....

”یہی ہے“..... اس نے کہا.....

”ہوں..... ایس پی بھلہ کے منہ سے بھی ہوں نکلی اور اس نے فوراً ہی ٹیلی فون پر کوئی نمبر ملانا شروع کر دیا۔

شاید دوسری طرف اسے کسی کے فون اٹھانے کا انتظار تھا.....

دو تین منٹ تک گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے فون اٹھالیا تھا.....!

”سر! زحمت کی معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے اس وقت کشمیر سنگھ سے متعلق رپورٹ

چاہیے“.....

شاید دوسری طرف کوئی سینئر آفیسر تھا۔

لیکن.....!

خصوصی اختیارات رکھنے کے سبب ایس پی بھلہ کو ان آفیسروں کو بھی پرواہ نہیں رہی تھی اور بڑے بڑے آفیسر بھی جانتے تھے کہ اگر کسی نے اس کے حکم کے سرتابی کی..... یا اس پر اپنی افسری کا رعب جتانے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوگا۔

دوسری طرف فون انڈ کرنے والے نے شاید اسے کچھ دیر انتظار کرنے کے لئے کہا تھا اس درمیان وہ اپنے کسی اپنی ہی طرح خواب خرگوش کے مزے لینے والے ماتحت سے کشمیر سنگھ کی رپورٹ مانگ رہا تھا تاکہ ایس پی بھلہ کے حکم کی فوری تعمیل کی جاسکے۔

پرتاب کور اور بھلہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران پرتاب کور نے اسے دربار صاحب میں تازہ اسلحے کی آمد کی خبر سے مطلع کیا تھا۔

جس پر ایس پی بھلہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

پرتاب کور کو اس بات کی سمجھ ہی نہ آ سکی کہ ”را“ کی مدد سے بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے جو فحشہ ایجنسی ”تھرڈ ایجنسی“ کے نام سے بے تحاشہ اختیارات سونپ کر قائم کر دی تھی۔

یہ اسی ”تھرڈ ایجنسی“ کا کارنامہ تھا.....!

تھرڈ ایجنسی نے مسز اندرا گاندھی کے حکم پر اپنا خونی جال دربار صاحب پر پھیلا نا شروع کر دیا تھا۔ یہ لوگ الگ سے گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے.....!

بھارتی سیاست کی کالی دیوی اپنے لہو کی پیاس بجھانے جا رہی تھی.....

☆☆☆

مسز اندرا گاندھی نے بہر صورت ایکشن جیتنا تھا.....

اور.....

واپسی کی کوئی اطلاع نہیں مل سکی..... اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو پولیس کے خوف سے فرار ہو گیا ہے یا پھر سر ہڈ پارٹرینگ لینے گیا ہے۔“

دوسری طرف سے اسے مطلع کیا گیا۔

”سرا! دوسری بات زیادہ صحیح دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے حکم سے کارروائی کی اجازت ہو تو.....“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں بھلے صاحب ”موسٹ ویل کم۔“ آپ جس طرح مناسب سمجھتے ہیں کریں ہمیں تو مطلوبہ نتائج سے غرض ہے اور پھر آپ سے زیادہ ہمارے لئے قابل اعتماد اور قابل عزت کون ہو سکتا ہے؟“

دوسری طرف سے بات کرنے والے اعلیٰ آفیسر کا لہجہ چیچہ گیری کی چغلی کھا رہا تھا۔ شاید اس بے چارے کو بھی اس بات کا علم تھا کہ بھلے اس کے بھی اعلیٰ افسروں کا چھوڑا ہوا کتا ہے..... جس سے انہیں بہر صورت تعاون کرنا ہے اور اس کی طرف سے اعلیٰ افسر کی تعریف میں کہا جانے والا کوئی بھی فقرہ بالکل وہی اثر دکھا سکتا ہے جو کہ اس کے خلاف کہے جانے والا فقرہ۔

”شکریہ جناب میں آپ کا خادم ہوں۔“

ایس پی بھلے نے بہر حال پروٹوکول کو ملحوظ خاطر رکھا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ اعلیٰ افسران کو اپنا دشمن بنالے۔

”میں اپنے آدمیوں کو ہدایات جاری کر رہا ہوں کہ وہ اس معاملے سے الگ ہو جائیں۔“ اسی اعلیٰ آفیسر نے کہا۔

”دھنوا! ہم کل صبح ہی ایکشن کریں گے۔ مجھے اس کے ٹھکانے کا علم ہو گیا ہے۔“ ایس پی بھلے نے احترام کے ساتھ فون بند کر دیا۔

”کل نہیں..... ابھی دو دن ٹھہر جاؤ۔ کل ہی اس شخص کی ملاقات مجھ سے ہوئی ہے اس لئے دو تین دن مہلت ملنا ضروری ہے۔ اس درمیان آپ اس پر کڑی نظر ضرور رکھیں۔ ویسے آپ کو مطمئن رہنا چاہئے۔ جو ایک مرتبہ پرتاب کور کے شکنجے میں پھنس گیا..... پھنس گیا۔ بچ کر نہیں جاسکتا.....“

ایس پی بھلے کے فون رکھتے ہی پرتاب کور نے کہا۔

اس کی بات کرنے کا انداز بھی حکم دینے جیسا تھا لیکن کیا مجال جو بھلے نے ایک لمحے کے لئے بھی اس کی بات کا برا مانا یا ہو۔

اس ایکشن میں کامیابی تب ہی ممکن تھی جب وہ ہندو وٹرز کو اشتعال دلا سکے۔ اس کے لئے سکھوں کا قتل عام ناگزیر تھا.....!

اس نے دربار صاحب پر حملہ کر کے دہرے مقاصد حاصل کرنے کا گھناؤنا منصوبہ اپنے قریب ترین اور ذہین ترین ساتھی ”را“ کے سابق ڈائریکٹر ”راؤ“ کی مدد سے تیار کر لیا تھا اور اب اس پر عمل کرنے جا رہی تھی۔

پرتاب کور نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

ایس پی بھلے کی مسکراہٹ نے اسے باور کروادیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ جان گئی کہ یہ بھی اسی طرح کی کوئی سازش ہوگی جس کا ایک مہرہ وہ خود بھی ہے۔

اسے سمجھ آ گئی کہ یہ سازش بھی بھارتی انٹیلی جنس ہی دربار صاحب کے اندر پہنچا رہی ہے تاکہ یہاں موجود سکھوں کو پانستان کے ایجنٹ قرار دے کر ان کے خلاف مسلح کارروائی کا جواز تلاش کیا جاسکے۔

اسے اپنی ذمہ داریوں کے سرنے اپنی ”حدود“ کا بھی علم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے جائز اور ناجائز احکامات کی تعمیل پنجاب کے ہر حصے کے افسران صرف اس لئے کر رہے تھے کہ وہ اس وقت بے شمار اختیارات کی مالک ہے۔

لیکن.....!

اس کے اختیارات کی بھی ایک حد تھی.....!

اسے بتایا گیا تھا کہ انٹیلی جنس کے دیگر معاملات میں اسے دہلی لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اور یہ بھی کوئی ایسا ہی معاملہ تھا.....!

اپنی تجسس پسند طبیعت کے باوجود اس نے اگلی بات بھی پوچھنی مناسب نہ سمجھی اور ”موشی سے الہم میں لگی تصویروں کا جائزہ لیتی رہی۔“

☆☆☆

ایس پی بھلے کے فون کی گھنٹی قریب پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد بجی تھی۔

دوسری طرف لائن پر وہی اعلیٰ آفیسر تھا جسے اس نے کچھ دیر پہلے نیند سے اٹھا کر اس سے معلومات طلب کی تھیں۔

”کشمیر اسٹگہ قریب ایک مہینے سے اپنے گھر سے غائب ہے۔ ابھی تک اس کی

نکل کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا یہ انٹیلی جنس کے بہت سے ایجنٹوں میں سے ایک تھا۔ ان لوگوں کو بطور خاص یہاں صرف اس لئے متعین کیا گیا تھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہیں امریکہ سگھ کے ساتھی پر تاب کور کی نگرانی تو نہیں کر رہے؟

اس سائے کی طرف سے ”سب اچھا“ کی اطلاع ملنے پر پر تاب کور نے سگھ کا لمبا سانس لیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اپنی کوشی کے بغلی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

اس کی آمد اور واپسی کا سوائے اس کے اور بھارتی انٹیلی جنس کے اور کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

بھلے جانتا کہ اس کی موجودہ شان و شوکت کا انحصار بھی پر تاب کور پر ہی تھا۔ یہ پر تاب کور تھی جس کی فراہم کردہ اطلاعات پر اس نے طوفان اٹھا رکھا تھا اور خالصتان نواز حریت پسندوں کے لئے دہشت کا نشان بن چکا تھا۔

”جیسا آپ کا حکم بی بی جی!“ بھلے نے سر تسلیم خم کیا..... کوئی مزید خدمت ہو تو بندہ حاضر ہے۔“

”فی الحال نہیں..... اور ہاں۔ آج کے بعد تمہارا کوئی آدمی مجھ سے رابطہ نہیں کرے گا۔ میں رد و ضرورت پڑنے پر رابطہ کیا کروں گی..... یہ امریکہ سگھ۔ بہت چالاک لڑکا ہے..... میں نہیں پتا ہوتا کہ اس نے دماغ میں میرے متعلق کوئی بھی غلط خیال جگہ پائے۔ غین ممکن ہے وہ بھی میری نگرانی کر رہا ہو..... یہ لوگ سرحد پار سے تربیت حاصل کر کے آتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ انہیں خاصا ہوشیار کر کے بھیجتے ہوں گے۔“

”آپ کے حکم کے مطابق“ ہو گا بی بی جی۔ مطمئن رہنے گا۔“ ایس پی بھلے نے پھر سر تسلیم خم کیا۔

دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر جس طرح پر تاب کور اندر آئی تھی اس طرح اس طرح اس نے دوبارہ اپنے جسم کو چادر میں لپیٹا اور ایس پی کے حاقب میں بڑے اعتماد سے قدم اٹھائی چل دی۔

جس طرح ایس پی بھلے اسے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا، اسی طرح اپنے ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔

بکلی گھر تفتیشی مرکز سے کچھ فاصلے پر وہ رک گیا۔ یہاں سڑک کے ایک کونے میں پہلے سے چھپی سیاہ رنگ کے شیشوں والی گاڑی تھی جسے ہی ایس پی بھلے کی جیب کو اس طرف آتے دیکھا وہ جیب کے بالکل ساتھ کھڑی ہو گئی..... پر تاب کور نے ایس پی بھلے سے گرجوٹی سے مصافحہ کیا اور چپ چاپ اسی کار میں اتر کر سوار ہو گئی۔

سڑکوں پر سوائے پولیس کی گشتی پارٹیوں کے اور کوئی ڈی فسر کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ یوں بھی شام ڈھلتے ہی یہاں ایک طرح سے کرفیو کا سماں بندھ جاتا تھا اور لوگ پولیس یا پھر خالصتان نواز عناصر کے خوف سے کم ہی باہر نکلتے تھے۔

پر تاب کور کو اپنی کوشی سے کچھ فاصلے پر ہی کار سے اتر گئی..... درختوں کے جھنڈ سے ایک سایہ

کوختی سے لالہ جی کی حفاظت کی ہدایت کی گئی تھی..... ایس پی بھلہ چونکہ یہاں پولیس کا انچارج تھا اور اسے آج خاص طور سے آئی جی نے ہدایت کی تھی کہ وہ لالہ جی کو پیغام پہنچادے کہ وہ اپنا پٹیا لے کا پروگرام منسوخ کر دیں۔

لالہ جگت نرائن نے اگلے ہی روز پٹیا لہ جانے کا پروگرام بنایا تھا.....!!

☆☆☆

وہ پٹیا لہ کا دورہ ایک خاص مقصد کے تحت کر رہا تھا۔ یہاں کے کانگریس نواز سکھ حلقے جو اسے بہت بڑا لیڈر سمجھتے تھے۔ دراصل وہ سکھ تھے جو اچانک سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کی مقبولیت سے گھبرا گئے تھے.....!!

ان لوگوں کا تعلق کانگریس کے یوتھ ونگ سے تھا اور وہ ایک کمپ لگ رہے تھے۔ جس کا افتتاح لالہ جگت نرائن نے کرنا تھا۔

ایس پی بھلہ کافی دیر تک لالہ جگت نرائن سے مغز ماری کرتا رہا۔
لیکن.....

لالہ جی ضرورت سے زیادہ پراعتماد تھے۔

وہ کسی خطرے کو خاطر میں لانے کے لئے تیار ہی نہیں ہو رہے تھے۔

وہ سمجھتے تھے کہ جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ ایک دہشت گرد ہے جس کے ساتھ اس کے مٹھی بھر مسلح ساتھی ہیں جو تعداد میں آنے میں نمک کے برابر بھی نہیں صرف اپنی غنڈہ گردی کے بل پر وہ لوگوں کو خوفزدہ کر کے اپنا الوسیدھا کر رہے ہیں۔

وہ سرکاری حلقوں اور اپنے اخبارات میں بھی سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کا یہی روپ دکھایا کرتے تھے۔

ترنکاری بابا ان کا ذاتی دوست تھا اور اس کی موت کا ذمہ دار لالہ جی کے نزدیک سوائے بھنڈرا نوالہ کے اور کوئی نہیں تھا۔

لالہ جی کو آج کل لیڈری کا یوں بھی کچھ زیادہ ہی شوق چرایا تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر سردار دوبارہ سنگھ پنجاب کا چیف فشر بن سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں بن سکتا.....!

ان دنوں پنجاب اور مرکز دونوں کے لئے ایک ہی خطرہ تھا۔

سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ.....!!

اور لالہ جی اپنی دانست میں سنت جرنیل سنگھ کی طاقت کو پارہ پارہ کرنے چلے تھے۔ انہوں نے

لالہ جگت نرائن نے حسب عادت ایس پی کی بات سنی اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

”اگر آپ کا مقصد مجھے ہوشیار کرنا ہے تو شکریہ..... لیکن مجھے لگتا ہے کہ

آپ مجھے ہوشیار کرنے نہیں بلکہ خوفزدہ کرنے کے لئے تشریف لائے

ہیں۔“

”لالہ جی! مجھے امید ہے آپ میری بات کو سیریس لیں گے۔ یہ اطلاع

ہمارے بہت خاص ذرائع نے دی ہے اور غلط نہیں ہو سکتی۔“

ایس پی۔ لالہ جی کے قہقہے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”ایس پی صاحب! آپ بالکل بے فکر ہو جائیں یہ سر پھرے سکھ جن کے

ہر وقت 12 بجے رہے ہیں، مجھے کیا مار س کے ان کی تو عقل ہی ماری گئی

ہے..... جو کچھ میں ان کے گورو گھنٹا کے خلاف لکھ رہا ہوں اسے پڑھنے

کے بعد ان کی عقل ٹھکانے پر رہ نہیں سکتی“.....

لالہ جگت نرائن کے لہجے میں نفرت بھی طنز کے ساتھ آئی تھی۔

لالہ جی تین اخبارات کے مالک تھے۔ کانگریس کے پرانے جانثار اور حکومت کے نمک خوار

لالہ جگت نرائن نے سنت بھنڈرا نوالہ کی کردار کشی کو اپنی صحافت کا مشن قرار دے رکھا تھا۔

آئے روز وہ بھنڈرا نوالہ کے خلاف کوئی نہ کوئی اشتعال انگیز خبر لگا دیتا تھا۔ اس کام پر جہاں

اسے سنت جی کے مخالفین کی آشر وار ملتی تھی وہاں سرکاری دربار میں بھی اس کی عزت و چار چاند لگ

رہے تھے.....!

اخبار کی آمدن میں بڑی تیزی سے اضافہ ہونے لگا تھا.....

اس کا سبب اخبار کی اشاعت میں زیادتی نہیں بلکہ سرکاری طرف سے اشتہارات میں اضافہ

تھا۔ خصوصاً مرکزی حکومت کی مکمل حمایت اسے حاصل تھی۔

بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ لالہ جگت نرائن کو انٹیلی جنس اور پولیس کے اعلیٰ افسران کی

آشر وار بھی حاصل تھی اور مرکزی حکومت کی جتنی بھی ایجنسیاں یہاں پنجاب میں موجود تھیں ان سب

نرکاری گورو کے قتل پر جس طرح سنت جی کے خلاف طوفان اٹھایا تھا اس کے بعد ہی حکومت نے سنت جرنل سنگھ پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کی تھی۔

☆☆☆

9 ستمبر 1981ء کی سہ پہر.....

لالہ جگت نرائن نے آج پٹیلہ میں کانگریس آئی کے یوتھ ونگ کی طرف سے لگائے گئے آئی کے میں بڑی دھواں دھار تقریر کی تھی۔ اس تقریر میں لالہ جگت نرائن نے کھل کر پہلی مرتبہ بھنڈرانوالہ کو پشت گرد غیر ملکی طاقتوں کا آلہ کار پاکستان کا ایجنٹ خونی اور لیرا قرار دیا اور کہا بھنڈرانوالہ پاکستان کے اشارے پر پنجاب کا امن تہہ بالا کرنے پر تیار ہوا ہے.....! اس جلسے میں لالہ جگت نرائن نے پنجابی اخبارات خصوصاً ”اجیت“ اور ”اکالی پتریکا“ کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے بھنڈرانوالہ کی حمایت نہ چھوڑی تو پنجاب کے غیور عوام ان اخبارات کے دفاتر کو جہاز کر کے دیس گئے۔

یہ دھواں دھار اور جذباتی تقریریں لالہ جی کو خاصی داد ملی۔ وہ اپنے باڈی گارڈ اور ڈرائیور کے ساتھ ایک پولیس جیپ کے ہمراہ پٹیلہ سے اپنے مکان جا رہے تھے۔ جالندھر کو روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ لدھیانوالے کے نزدیک ہی پہنچے۔ یہاں سے پولیس گارڈ تبدیل ہوتی تھی اور اس جیپ کی جگہ دوسری جیپ نے لیتی تھی۔

شام کا اندھیرا لدھیانہ کی اس نواحی بستی کو آہستہ آہستہ اپنی طرف میں لے رہا تھا۔ لالہ جی اپنی ترنگ میں ڈرائیور کو جلد از جلد جالندھر پہنچنے کی تلقین کر رہے تھے۔

ان کی خواہش تھی کہ وہ اخبار کی فائل کاپی میں اپنے سامنے اپنی تقریر کو خبر لکوائیں اور وہ تصاویر بھی شائع کریں جو ان مقامی فوٹو گرافرز نے ہاتھوں ہاتھ تیار کر لے انہیں تمناؤں میں۔

لالہ جی سمجھتے تھے کہ صبح ان کی اسی تقریر کی ان کے اخبارات میں اشاعت کے بعد بھنڈرانوالہ لہذا ان کے ساتھ منہ چھپاتے پھریں گے۔

لالہ جی کو مرنے کی اتنی جلدی تھی کہ انہوں نے چند منٹ وہاں رک کر مقامی پولیس کی آمد کا انتظار کرنا بھی مناسب نہ جانا جس نے انہیں اپنی حفاظت میں لے کر لدھیانہ سے جالندھر تک پہنچانا تھا۔ وہ اپنے ڈرائیور کو کار چلاتے رہنے کی تلقین کرتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔

یہ راستہ جس کے دونوں اطراف کھیتوں کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ لالہ جگت نرائن کے لئے

کوئی نیارا راستہ نہیں تھا۔ وہ یہاں سے سینکڑوں مرتبہ گزر چکے تھے اور گزشتہ تین چار ماہ میں تو درجنوں مرتبہ انہوں نے اس راستے پر سفر کیا تھا۔ اس لئے بڑے اطمینان سے کار کی انگی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے اپنی فتح کے نشے میں سرشار جھومتے ہوئے جالندھر کی طرف گامزن تھے۔

اس راستے پر چلتے ہوئے لالہ جی کو ابھی بمشکل دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے جب اچانک گولیوں کی آواز سنائی دی اور کار کے دونوں اگلے بازو برست ہو گئے۔ لالہ جی کے ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے۔

ڈرائیور نے کمال ہوشیاری سے گاڑی کو بریک لگا کر قابو کیا۔ جیسے ہی کاررکی۔ اچانک ہی تین مسلح سکھ جنہوں نے کار میں اور رانگل تھام رکھی تھیں ان کے سر پر آن پہنچے.....!! حواس باختہ لالہ جگت نرائن کو انہوں نے دروازہ کھولی کر نیچے کھینچ لیا اور ان کے سر میں یکے بعد دیگرے پانچ چھ گولیاں اتار دیں۔ اس بات کا اطمینان کرنے کے لئے کہ لالہ جگت نرائن مر چکا ہے یا نہیں۔ انہوں نے قریب دو منٹ تک وہاں رک کر لالہ جی کے ہلنے چلنے کا انتظار کیا جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب لالہ جی کو کسی ”فرسٹ ایڈ“ کی بھی ضرورت نہیں تو کھیتوں کے وسیع سلسلے میں غائب ہو گئے۔

لالہ جی کا باڈی گارڈ بھی ان کی ضد کی بھینٹ چڑھ گیا تھا.....!!

حملہ آور جاتے ہوئے اس کی رانگل بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ زخمی اور خوفزدہ ڈرائیور کو شاید وہ ٹوٹنے والی قیامت کی تفصیل پولیس کو سنانے کے لئے زندہ چھوڑ گئے تھے۔

لالہ جی کی موت کے قریب پانچ منٹ بعد پولیس کی گشتی پارٹی وہاں پہنچ گئی تھی۔ پولیس کے شیر دل جوانوں نے تینوں قاتلوں کو کھیتوں کے اس سلسلے میں تلاش کرنے پر لالہ جی کی لاش کی حفاظت پر ترجیح دی.....!!

جب ان کے دواویلا کرنے پر لدھیانہ سے سی آر پی اور بارڈر سیکورٹی فورس کے دستے بھی ان کی مدد کو پہنچ گئے تو ان سینکڑوں پیرالمیٹری فورسز کے جوانوں نے مل کر انہیں تلاش کرنا شروع کیا۔

لیکن.....!

اب اس واردات کو آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا اور وہاں کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ قریب دو تین گھنٹے نزدیک دور کے دیہاتوں اور نواحی بستیوں میں خوف و ہراس پھیلانے کے بعد وہ لوگ ناکام و نامراد

واپس لوٹ آئے۔

☆☆☆

لالہ جگت نرائن کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں اطراف میں پھیل گئی تھی فوری طور پر مسلح ہندوؤں کے دستے حرکت میں آ گئے۔

ان کا تعلق ہندوؤں کی انتہا پسند مسلح اور حکومتی پشت پناہی کی حامل تنظیموں سے تھا اور لالہ جگت نرائن کے قتل کی خبر نے ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی۔

تقریباً سو پچھبیس شام لالہ جگت نرائن کو قتل کیا گیا تھا.....!

آٹھ بجے رات تک ہندو بلوایوں کا مسلح جلوس جائنڈھر میں روزنامہ ”اکالی پتریکا“ کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا جس نے اخبار کے دفتر کے باہر توڑ پھوڑ شروع کر دی۔

اخبار کے کارکنوں کی خوش قسمت کہ کس طرح انہوں نے کچھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے مقامی دفتر کو ہندوؤں کے اس مسلح حملے کی خبر پہنچا دی۔

یہ اطلاع ہی ان کی زندگی کی نمانت بن گئی کیونکہ نزدیک دور انہیں کوئی پولیس والا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ایک سازش کے تحت پولیس کو یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ حالانکہ لالہ جی کے قتل کی خبر جیسے ہی مقامی نامہ گار نے اخبار کے دفتر میں پہنچائی۔ اکالی پتریکا۔ ایڈیٹر نے فوراً پولیس کو فون کر کے دفتر کی حفاظت کے لئے پولیس گارڈ بھیجنے کی درخواست کی تھی۔

پولیس تو ان کی مدد کو کیا آتی انہیں کسی نے جھوٹی تسلی دینے کی بہت سی سی سی فیڈریشن کے جس دفتر میں یہ اطلاع پہنچی تھی انہوں نے فوراً نزدیکی دفاتر پر دیا شہر کے مختلف حصوں سے کچھ نوجوان ”اکالی پتریکا“ اور ”اجیت“ کے دفاتر کی طرف بھاگے۔

دونوں اخبارات کی خوش قسمتی تھی کہ یہ لوگ بروقت ان کی مدد کو آ گئے۔ ان میں سے کچھ نوجوانوں کے پاس معمولی اسلحہ بھی موجود تھا.....!

اس درمیان ”اکالی پتریکا“ پر آرائس ایس کی طرف سے پٹرول کا چھڑکاؤ شروع ہو چکا تھا اور اب وہ لوگ اسے آگ دکھانے کی تیاری کر رہے تھے۔

لیکن.....!

بروقت کچھ نوجوانوں نے موقعہ واردات پر پہنچ کر ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ مدد کو آنے والے تعداد میں حملہ آوروں سے ایک چوتھائی کے برابر بھی نہیں تھے یہ سب بھنڈرا نوالہ کے پیر وکار تھے جس نے انہیں موت سے محبت کا سبق سکھایا تھا اور انہوں نے بھی خوب خوب پھر حق ادا کیا.....!

ہا کیوں لائمیوں کر پانوں اور چند پستولوں کے ساتھ انہوں نے جدید اسلحہ سے لیس آرائس ایس کے تربیت یافتہ گوریلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پندرہ بیس منٹ میں ہی انہیں دم دبا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا.....!

بڑا خطرہ ٹل گیا تھا.....!

پنجابی اخبارات کے دفاتر جلنے سے بچ گئے تھے۔ لیکن.....

ایک نیا طوفان..... کروٹ لے رہا تھا۔

☆☆☆

نے لالہ جگت نرائن کو دھکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ سکھوں کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز نہ آیا تو اسے ”گاڑی چڑھا“ دیا جائے گا۔

(گاڑی چڑھانا“ سنت جی کی مخصوص اصطلاح تھی جو وہ استعمال کیا کرتے تھے۔) پولیس نے الزام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے پہلے سنت جرنیل سنگھ نے ملیر کونسل اور لدھیانہ میں بھی لالہ جگت نرائن کو قتل کروانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن.....

یہ لالہ جگت نرائن کی خوش قسمتی تھی کہ وقت کے معمولی سے فرق نے دونوں مرتبہ اس کی جان بچا لی۔

پولیس کی طرف سے اس طرح کھل کر کسی بھی معاملے میں پہلی مرتبہ سنت جگت نرائن کا نام لیا گیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ حکومت نے اب اس مصیبت سے مکمل چھٹکارہ حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

☆☆☆

10 ستمبر 1981ء کی رات.....!!

سنت جرنیل سنگھ اپنے معمول کی عبادات سے فارغ ہو کر گوردوارے میں اپنے لئے مخصوص کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ ان کے حفاظتی دستے کے خاص رکن نے دن سنگھ کی آمد کی خبر دی۔ دن سنگھ پولیس ملازم تھا.....!

اس کی دائر پولیس ڈیوٹی تھی اور پولیس ہیڈ کوارٹر لدھیانہ میں تعینات تھا دن سنگھ کا شمار سنت جرنیل سنگھ جگت نرائن کے ان جاٹ ساتھیوں میں ہوتا تھا جو گوکہ پولیس ملازم تھے لیکن پولیس کی ملازمت میں رہ کر سنت جی کی زندگی کی حفاظت کر رہے تھے۔

دن سنگھ شام کو چلنے والی تیز رفتار ٹرین کے ذریعے یہاں پہنچا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کی روگنی خفیہ ہے اور اسے بہر صورت صبح اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے اس لئے فوراً اس کی سنت جی سے ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے۔

سنت جی کے ساتھ ان کے تین انتہائی قریبی ساتھی موجود تھے.....! دن سنگھ نے ”فتح“ بلانے کے بعد انہیں بتایا کہ لدھیانہ کے پولیس ہیڈ کوارٹر میں دائر پولیس پر پیغام پہنچا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو آج صبح ہونے تک سنت جی کے اس قافلے پر حملہ کر کے انہیں اور ان کے دس قریبی ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔

9 ستمبر کی صبح معمول کے مطابق سنت جرنیل سنگھ جگت نرائن نے دربار صاحب میں اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق رسوم کی ادائیگی کی اور پہلے طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے جھٹے کے ساتھ دھرم کے پرچار کے لئے ہریانہ کی طرف چل دیے۔

ان کے ساتھ جھٹے کے ڈیزل دو سو سکھ تھے جو دو بڑی بسوں میں سوار ہو کر جا رہے تھے۔ ان لوگوں کی منزل ہریانہ کا سرحدی علاقہ ”چندوکلاں“ نامی دیہات تھا جہاں کی قریب ساری آبادی سکھ تھی اور یہ لوگ سنت جی کو ایک عرصے سے پرچار کے لئے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ سنت جرنیل سنگھ نے اس مرتبہ ایک سال تک مسلسل تبلیغ کا پروگرام بنایا اور تیار ہی اسی حساب سے کی تھی۔

9 ستمبر کی صبح یہ جھٹہ ”سنت“ اکال“ کے بے کارے بلند کرتا رہا اور اس کے بعد اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

10 ستمبر کی صبح پنجاب کے چیف منسٹر ارا سنگھ نے انتظامی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے ہنگامی اجلاس طلب کر لیا کیونکہ لالہ جگت نرائن کی موت سے پنجاب کی مضافاتی مسموم ہو گئی تھی اور 9 ستمبر کی رات کو جالندھر میں سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان شدید جھگڑا ہو چکا تھا۔

اس میٹنگ میں تمام ذمہ دار لوگ موجود تھے.....!! میٹنگ صبح سے شام تک جاری رہی۔ دوران میٹنگ سردار دربار سنگھ بار بار مرکزی حکومت کو اپنے ہاں ہونے والی کارروائی سے آگاہ کر کے مزید ہدایات لیتا رہا۔

سر پھر جب میٹنگ اختتام پر پہنچی تو یہاں ایک منصوبہ طے پا گیا تھا.....!! اس منصوبے کے مطابق پولیس نے ہریانہ کے سرحدی علاقے ”چندوکلاں“ میں جہاں سنت جرنیل سنگھ اپنے جھٹے کے ساتھ موجود تھا حملہ کر کے انہیں جان سے مار دینے کا منصوبہ بنالیا تھا.....!!

10 ستمبر کی شام کو پولیس کی طرف سے اخبارات کو جو بیان جاری کیا گیا اس میں لالہ جگت نرائن کے قتل کی ذمہ داری براہ راست سنت جرنیل سنگھ پر ڈال دی گئی اور کہا گیا کہ ان کے حکم پر تین سکھ نوجوانوں نے جن میں دو ان کے قریبی رشتہ دار ہیں لالہ جگت نرائن کو قتل کیا ہے.....!

پولیس ذرائع نے بتایا کہ 27 جولائی کو دربار صاحب میں تقریر کرتے ہوئے جگت نرائن نے

جال بچھا دیا تھا۔

تمام سڑکوں پر راتوں رات پولیس اور پیرا ملٹری فورس کے دستوں نے گشت شروع کر دیا تھا۔

نزدیک دور سے تمام کچے کچے راستوں پر اٹلی جنس ایجنسیوں کے ہزاروں کارندے رو بہ عمل تھے۔

☆☆☆

رات کے تین بجے تھے جب چند دکان کے دیہاتی اچانک ہونے والی فائرنگ کی آواز سن کر بڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

گولیاں ہوا میں دہشت پھیلانے کے لئے چلائی جا رہی تھیں انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مسئلہ کیا ہے۔

اس بات کا احساس سب کو ہو گیا تھا کہ چند دکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ پولیس کی جیپوں اور ٹرکوں پر نصب سرچ لائٹوں کی تیز روشنیوں نے رات کو دن میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ شب خون اتنا منظم تھا کہ ہوا کو بھی چند دکان سے باہر نکلنے کا موقعہ نصیب نہ ہوتا۔

پولیس اور پیرا ملٹری فورس کے جوان حالات جنگ میں کہیں زمین پر ٹکا کر کندھوں سے رائفلیں جمائے اور ٹرکوں پر انگلیاں رکھ کر اگلے حکم کے منتظر تھے۔

پولیس نے اپنی دانست میں بہت مستعدی دکھائی تھی اور اس وقت چھاپہ مارا تھا جب کسی کے یہاں سے جانے کا گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا۔

لیکن!

یہ پنجاب پولیس کی بد قسمتی تھی کہ اس کیپ میں اب ان کا ”بڑا شکار“ موجود نہیں تھا۔ وہ ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

آدھ گھنٹہ تک پولیس نے دہشت پھیلانے کے لئے ہوائی فائرنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران بھنڈ رانوالہ جتھے کے لوگ جنہیں اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے پہلے سے ہدایات جاری ہو چکی تھیں خود کو گوردوارے میں محصور کر چکے تھے۔

انہوں نے پولیس کی ہوائی فائرنگ سے مشتعل ہونے کے بجائے صبر سے ”دیکھو اور انتظار کرو“ کی پالیسی اپنائی تھی اور اس وقت گوردوارے میں بیٹھے ”پاٹھ“ کر رہے ہیں۔

پولیس کو امید تھی کہ جس طرح وہ اشتعال دلانے والی کارروائیاں کر رہی ہیں اس کا ضرور کوئی

پولیس کو علم تھا کہ سنت جرنیل سنگھ کے ساتھیوں کے پاس اسلحہ موجود ہے لیکن اتنا زیادہ نہیں کہ وہ جم کر پولیس کا مقابلہ کر سکیں اور ہریانہ حکومت کو بھی ان کی زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

دن سنگھ نے بتایا کہ پولیس کا پلان یہ ہے کہ وہ لوگ گھاٹ لگا کر شب خون ماریں گے جس کا مطلب یہی ہے کہ مجبوراً سنت جرنیل سنگھ کے ساتھیوں کو مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس مقابلے کو بہانہ بنا کر پولیس اپنا کام کر گزرے گی۔

سنت جی نے فوری طور پر اس کا شکریہ ادا کر کے اس واپس لدھیانے پہنچنے کی تلقین کی اور اپنے جتے والوں سے خفیہ صلح مشورہ کرنے لگے۔

☆☆☆

سنت جرنیل سنگھ کے ساتھی جانتے تھے کہ یہ شخص زندگی یا موت کا کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن!

اس طرح بے بس سے پولیس کے ہاتھوں مارے جانا بھی کوئی ٹھیک نہیں سمجھتا تھا۔ بحث مباحثہ جاری رہا۔

ایک ایک پل قیمتی تھا۔ لدھیانہ سے پولیس کے دستے اس طرف بڑے تھے۔

بالآخر تھکداریوں نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ سنت جرنیل سنگھ کا جتہ یہاں قیام کرے گا وہ خود پانچ جانثاروں کو اپنے ہمراہ لے کر پنجاب کی طرف کوچ کر جائیں اور جس طرح بھی ممکن ہو امرتسر

چوک مہتمہ پہنچنے کی کوشش کریں۔

”چند دکان“ سے سنت جرنیل سنگھ کی منزل گوردوارہ گوردورشن پر ایک یوک مہتمہ کا فاصلہ 350 کلومیٹر تھا۔

اس بات کا علم اٹلی جنس کو تھا کہ پولیس میں سنت جی کے جاسوس اپنی پل پل کی خبریں پہنچاتے ہیں۔

پنجاب کی پولیس زیادہ تر سکھوں پر مشتمل تھی اور مسز اندرا گاندھی زبانی تو بہت کچھ کہتی تھیں لیکن سب جانتے تھے کہ وہ سکھوں پر کسی بھی طرح اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھیں۔

سنت جرنیل سنگھ کے فرار کے مفروضے کو پولیس نے نظر انداز نہیں کیا تھا۔

”چند دکان“ سے پنجاب کی طرف جانے والے راستوں پر پولیس نے سفید پوش ملازمین کا

رو عمل ہوگا۔

لیکن.....!

جب آدھا گھنٹہ تک اندر سے گولی کا جواب نہ آیا تو پولیس والوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ ان کا منصوبہ تو خاک میں ملتا دکھائی دینے لگا تھا۔

ڈی آئی جی مانگٹ جو اس حملے کی کمان کر رہا تھا۔ اس صورتحال سے گڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ گوردوارے پر حملے کی صورت میں جب تک وہ لوگ گوردوارہ تباہ نہ کر دیتے اندر موجود ملت بھنڈرا نوالہ جتھے کے کسی بھی سکھ کو باہر نکلے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بڑے منظم اور تربیت یافتہ لوگ تھے اور نفسیاتی جنگ کے زبردست ماہر وہ کم از کم پولیس کو اس مرضی کا میدان جگا۔ ہر پا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ڈی آئی جی مانگٹ نے فوراً ہی ہوم منسٹر بونا سنگھ سے رابطہ قائم کیا جو خاص طور پر اس مشن کی کمان کرنے کے لیے چند ہی گڑبڑ چکا تھا۔

مانگٹ وزیر داخلہ سے اپنا راز لے لیے بغیر گوردوارے پر حملے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر بات بگنی تو اس کی ساری ”کارکردگی“ صفر ہو کر رہ جائے گی اٹل لغت ملامت کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

دوسری طرف اسے اپنے ملازمین پر بھی اعتماد نہیں تھا۔!! پولیس فورس میں تب تک زیادہ تعداد سکھوں کی تھی اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ یہ لوگ اس کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کریں گے اور گوردوارے پر حملہ نہ کریں گے۔

ہوم منسٹر بونا سنگھ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کسی بھی حالت میں اس ”سنہری موقع“ کو گنوا نہیں چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر آج پولیس نے بھنڈرا نوالہ لے کوٹھکانے نہ لگایا تو پھر مستقبل میں کبھی بھی کم از کم پولیس بھڑاوالے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔!!

بہت سوچ بچار کے بعد اس نے بندر کی بلاطویلے کے سرمنڈھنے کا فیصلہ کر لیا۔ ”مانگٹ تم اپنی صوابدید پر جو بھی چاہو کر سکتے ہو۔ میں تمہارے ہر اقدام کی حمایت کروں گا۔ بس مجھے ہر صورت بھنڈرا نوالہ لے کی لاش چاہیے۔ خبردار اسے زندہ گرفتار نہ کرنا۔“

اس نے اپنی دانست میں مانگٹ پر بڑا کامیاب جال پھینکا تھا۔ مانگٹ نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔!!

پنجاب پولیس کا ڈی آئی جی اس طرح ”سیاسی بہلاوے“ میں آ کر اتنا خطرناک قدم اٹھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

بونا سنگھ کا جوان ایک سیاست دان کا جواب تھا۔

اور.....

سر دار مانگٹ کم از کم اس کی چال میں پھنسے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بونا سنگھ کو تسلی دیتے ہوئے سلسلہ منقطع کیا اور چند منٹ بعد وہ جیپ کے مائیک پر گاؤں کے لوگوں سے مخاطب تھا۔

”اگر تم لوگ اپنی جان مال اور عزت کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً بھنڈرا نوالہ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ یاد رکھنا پانچ منٹ بعد میں پولیس کو حملہ کرنے کا حکم دے دوں گا اور تم سب کتے کی موت مارے جاؤ گے۔“

اس نے اس دھمکی کا دو تین مرتبہ اعادہ کیا اور اب خاموشی سے جواب کا منتظر تھا۔ مانگٹ کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سنت جرنیل سنگھ یہاں موجود ہی نہیں۔

اس لاکن پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ سنت جی یہاں سے رنو چکر ہو چکے ہیں۔ یہ آپریشن تو اتنا اچانک اور خفیہ تھا کہ ان لوگوں نے ہریانہ کی پولیس کو بھی اعتماد میں نہیں لیا تھا اور گاؤں کو گھیرے میں لینے کے بعد ہی مقامی حاکم کو اس بات سے باخبر کیا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں جس طرح آدھی رات کو ان لوگوں نے اچانک فائرنگ کر کے گاؤں والوں کو دہشت زدہ کیا تھا۔

اور جس طرح انہوں نے سرچ لائٹوں کی روشنیاں جلا کر پولیس کی بے تحاشا ٹڈی دل اور اسلحے کی نمائش کی تھی اس کے بعد گاؤں کے لوگوں کا ڈگمگانا ضروری تھا۔

تین چار منٹ بعد ہی گوردوارے کے پیکروں سے گاؤں کے سرخی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سنت جرنیل سنگھ گوردوارے یا اس گاؤں کے کسی بھی گھر میں موجود نہیں ہیں اگر پولیس چاہے تو اپنی تسلی کے لئے سارے گاؤں کی تلاشی لے سکتی ہے۔

اس جواب نے ایک لمحے کے لئے تو ڈی آئی جی مانگٹ کے قدموں تلے سے زمین سرکادی تھی۔

لیکن.....!

اس کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا کہ سنت بھنڈرا نوالہ یہاں موجود نہیں ہے۔ اس نے تب بھی یہی سمجھا کہ شاید سرخی زیادہ خون خرابہ نہیں چاہتا اور انہیں اس بات کا سنگل دے رہا تھا کہ وہ

رات کے دوسرے پہر وہ اپنے خفیہ ٹھکانے سے باہر نکلا تھا.....!
اس کی منزل اس کی بہن کا گھر تھا جہاں آج اس نے پیغام بھیج کر اپنی ماں کو بھی بلا لیا تھا۔
گزشتہ تین ماہ سے وہ گھر سے غائب تھا۔ اس کی وجہ وہی پولیس کا خوف تھا جس نے قریباً تمام ایسے
سکھ نوجوانوں کے اذہان کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا جو سنت بھنڈرانوالہ کے مرید تھے.....!!
اسے بھی متعلقہ تھانے میں اس کے ایک حوالدار دوست نے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا کہ سی آئی
ڈی والے کسی بھی روز اسے اغوا کر کے لے جائیں گے کیونکہ مقامی ہندو ایس ایچ او نے اس کے
خلاف بڑی غلط رپورٹ دی ہے.....!

کشمیر اسٹگ نے جس روز سے پیغام وصول کیا اس روز رات کے اندھیرے میں گھر سے نکل گیا
یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ پولیس نے جب اگلے روز رات کے اندھیرے میں اس کے گھر پر چھاپہ مارا
تو وہ گھر میں موجود نہیں تھا۔

پولیس والے حسب ہدایت اس کی بوڑھی ماں اور باپ کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ یہ اس کی خوش
قسمتی تھی کہ گھر میں اس کی کوئی بہن نہیں تھی۔

دو ہفتے تھیں دونوں شادی شدہ اور دوسرے شہروں میں رہتی تھیں.....!

پندرہ بیس روز تک پولیس بوڑھے والدین کو پریشان کرتی رہی۔ اس دوران کشمیر اسٹگ کے گھر
کی ہر قابل ذکر شے پر پولیس کا قبضہ ہو چکا تھا اور وہ سوائے کڑھنے یا خون کے آنسو بہانے کے اور
کچھ نہیں کر سکتا تھا.....

آج بھی اس کے ساتھیوں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ ”را“ کا جال بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔

انہیں اس بات کا علم تھا کہ خالصتاً حریت پسند بھی خفیہ منصوبہ بناتے تھے وہ بھارتی اٹلی جنس
تک پہنچ جاتے تھے۔

اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کام ہونے کے بعد یا اس سے پہلے۔

یہ بات بھنڈرانوالہ کے ساتھیوں کو بہت دیر بعد سمجھ میں آئی تھی کہ لالہ لاجپت رائے کے
قاتلوں کے ناموں کی فہرست اٹلی جنس تک کیے پہنچ گئی.....!!

سنت جی کو خود ہی گرفتار کر لیں۔

”ٹھیک ہے میں پولیس کو حکم دے رہا ہوں کہ وہ تمہارے گھروں کی تلاشی لے۔ اگر کسی نے
مزاحمت کی یا فرار ہونے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔“.....

ذی آئی جی مانگٹ نے جواب دیا.....

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سوراؤں کو حکم دے دیا کہ وہ بھنڈرانوالے کو اس کے بل سے
نکال کر باہر لائیں اور گولی سے اڑا دیں۔

پولیس اور پیرالمٹری پولیس فورس کے جوان در دونوں کی طرح ”چندو کلاں“ پر حملہ آور ہوئے
اور ہندتاتے ہوئے گوردوارے اور مکانات میں جا گئے.....!!

تلاشی کے نام پر انہوں نے ہر غیر انسانی حرکت کی.....!

اپنی ہی بہو بیٹیاں کو بے عزت کیا.....!

گاؤں کے آبائی ایک بچے ”جان“ اور بوڑھے کو مارا پیٹا.....!

ان کے گھروں میں موبیل فون، ٹیبلٹ، ڈکریٹ لٹ کر لے گئے.....!

وہ گاؤں کے لوگوں سے ایک ہی بات پوچھ رہے تھے کہ بھنڈرانوالہ کو انہوں نے کہاں چھپایا
ہے.....

ابھی تک ان گدھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ بھنڈرانوالہ فرار ہو چکے تھے۔ تین گھنٹے تک چندو
کلاں پر قیامت ڈھانے کے بعد پولیس کے جوان سنت بھنڈرانوالہ کے پولیس کے اندھے تشدد
کے ہاتھوں لہو لہان بیس پچیس ساتھیوں کو لے کر وہاں سے چل دیے۔

جاستے جاتے انہوں نے اپنا غصہ جتھے کی دونوں بسوں پر نکال دیا اور انہیں بازو آتش کر
دیا.....!

بسوں میں موجود سکھ اتہاس کی بہت سی قیمتی اشیاء بھی بسوں کے ساتھ ہی عل کر خاک
ہو گئیں.....

سنت جرنیل سکھ بھنڈرانوالہ..... پولیس کا شکار اس کے ہاتھوں سے ایک مرتبہ پھر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

کشمیر اسٹگھ کا شمار بھنڈرا نوالہ کے خصوصی جانثاروں میں ہوتا تھا اور تب تک بھارت کے کسی خفیہ مقام پر قائم ہونے والے سکھوں کے تربیتی کیمپ میں بھی وہ شرکت کر چکا تھا.....!

دراصل یہی وہ اہم اطلاع تھی جو ”را“ کو ملی اور اب وہ لوگ اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔

جانے کس ترنگ میں آ کر اس نے پر تاب کور کو بتایا کہ جنرل شو بیگ سنگھ کی کمان میں چلنے والے اس خفیہ تربیتی سنٹر میں وہ بھی شامل رہا۔

☆☆☆

کشمیر اسٹگھ نے بازار کا آخری موڑ مڑا اور ابھی وہ بمشکل لاری اڈے کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا تھا۔ اس گز ہی چلا ہوا جب اچانک ہی ایک قیامت اس پر ٹوٹی۔

حملہ آوروں کی تعدادیں اور پندرہ کے درمیان تھی خدا جانے وہ کب سے اس جگہ چھپے اس کی آمد کے منتظر تھے۔

جیسے ہی کشمیر اسٹگھ ان کے قریب سے گزرا، گھات لگائے بھیڑیوں کی طرح وہ اس پر پل پڑے۔

انہوں نے کشمیر اسٹگھ پر ڈنڈوں سے حملہ کیا تھا اور مار مار کر اس کا بھر کس نکال دیا تھا۔ پہلے دو تین منٹ تک تو کشمیر اسٹگھ کو اس ناگہانی آفت کا علم ہی نہ ہوا جو اس پر ٹوٹی تھی۔

اور.....

جب پندرہ بیس ضربات جسم پر لگنے کے بعد اسے سمجھ آئی اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو منہ کے تل زمین پر گر پڑا۔

اچانک ہی ایک تربیت یافتہ کمانڈر نے جوان سفید پوش بھیڑیوں کی کمانڈ کر لیا۔ اس کی کمر میں اس طرح اچھل کر لات جمائی تھی کہ کشمیر اسٹگھ کو اپنی ریزہ کی ہدیٰ ترقی محسوس ہونے لگی۔

وہ منہ کے تل زمین پر گر کر.....!

اس کے ساتھ ہی کئی مضبوط ہاتھوں نے اسے کاٹھ کبڈ کی طرح جکڑنا شروع کر دیا۔ کسی کے ہاتھ میں اس کا پاؤں تھا۔ کسی کے ہاتھ میں بازو۔ سات آٹھ افراد نے اسے ڈنڈا

ڈولی کرنے ہوئے اس بڑی سی دین میں پھینک دیا جواب ان کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ کشمیر اسٹگھ کو اپنی رگیں درد سے ٹوٹی محسوس ہو رہی تھیں.....!

جیسے اس کے جسم کی ساری ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں..... اپنی انتہائی کوشش کے باوجود وہ اپنے

وجود سے اٹھتی درد کی لہروں کے سامنے ضبط کا بند نہ باندھ سکا اور ”ہائے ہائے“ چلانے لگا.....

یہ سلسلہ چند منٹ ہی چلا پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ کیونکہ دین میں پہلے سے موجود سفید پوشوں نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکریں مار مار کر اسے ادھ مو اور پھر بے ہوش کر دیا تھا۔

☆☆☆

کشمیر اسٹگھ کی آنکھ کھلی تو وہ ایک کوٹھڑی کے نیچے فرش پر فالتو سامان کی گٹھڑی کی طرح ڈھیر ہوا پڑا تھا۔

کوٹھڑی کا دروازہ جس میں صرف چار سلاخیں لگی تھیں اور ایک محدود حد تک ہی باہر کچھ دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی نظروں نے پہلا منظر یہی دیکھا کہ سلاخوں کے پار ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس میں تین نوجوان سکھوں کو تنکا کر کے ان کے ہاتھ دیواروں سے منسلک لوہے کے کڑوں میں باندھے گئے ہیں اور تین بٹے کئے سفید پوش ان کی پنڈلی کی ہڈیوں پر وحشیانہ انداز میں ڈنڈے مارتے ہوئے ان کی چیخ و پکار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے یہاں دردوں کا راج ہو اور انسانوں کے روپ میں ”راکشش“ آ گئے ہوں۔

جب کوئی مضروب چیخا تو اس سے زیادہ زوردار آواز میں اس کی لعل اتارتے ہوئے زور زور سے چیخنے اور پھر دردوں کی طرح قہقہے لگانے لگتے.....!

کشمیر اسٹگھ کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آواز بند ہو گئی۔ شاید اب ان میں چیخنے چلانے کی سکت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

اس کے بدن کا رداں رداں درد کر رہا تھا۔ لیکن.....!

یہ منظر دیکھ کر اسے اپنے خون کا خمیر بدلتا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کے بدن میں انگارے تڑپنے لگے تھے..... غصے اور نفرت سے اس کو اپنا خون ابلتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی آنکھوں نے تینوں میں سے دو کو پہچان لیا تھا۔ یہ اس کے قریبی ساتھی تھے اور وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ مرجائیں گے لیکن دشمن کو کچھ نہیں بتائیں گے۔

جب وہ لوگ اپنی تربیت کا آغاز کرتے تھے تو اس ”ارداس“ (دعا) اور عہد کے ساتھ کہ اب ان کا جینا اور مرنا صرف پنہ (قوم) کے لئے ہوگا۔

اب نہ ان کا جسم ان کا تھانہ ہی ان کی روح ان کی تھی۔
جو بھی تھا وہ ”خالصہ پنٹھ“ کا تھا۔

اور.....

اس عہد کو اگر مر کر بھی بھانا پڑتا تو وہ بھی اس کی لاج ضرور نبھاتے.....!
کشمیر اسٹگھ کے دیکھتے دیکھتے تینوں بے ہوش ہو گئے تھے.....
یہی اصل میں ان لوگوں کے آرام کا مقصد ہوتا تھا.....

بے ہوش مظلوموں کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وحشی درندے انہیں چند منٹ کے لئے ہوش
میں لاتے۔

اپنی مشق ستم کو دوبارہ شروع کیا۔
لیکن.....

اس مرتبہ یہ وقت طویل نہ ہو سکا۔ دو تین منٹ بعد ہی وہ دوبارہ بے ہوش ہو گئے انہوں نے
تینوں کے بندھے بازو ڈھیلے کئے تو وہ بے ہوش ہوئے درخت کے تنوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔
اس منظر سے کشمیر اسٹگھ کا خون کھل اٹھا۔
اس نے اپنی کوٹھڑی کی سلاخوں کو سنبھولی سے بکرا اور انہیں دیوانہ وار زور سے ہلاتے ہوئے
انہیں لنگی گالیاں دینے لگا۔

☆☆☆

اس کی گالیوں اور سلاخوں کے زور زور سے ہلنے کی آواز پر وہاں موجود بھینسوں نے اس
طرح اس کو دیکھا تھا جیسے یہ سب کو ان کی توقع اور امید کے خلاف ہو۔
شاید وہ اس کے اتنی جلدی ہوش میں آنے کی امید نہیں کر رہے تھے۔
غصے سے کھولے اور یز کاڑتے ہوئے انہوں نے ایسے ساتھیوں کو آوازیں دینا شروع کر
دیں۔

کشمیر اسٹگھ نے چند لمحوں کے بعد وہاں پندرہ بیس سفید پوشوں کا اجتماع دیکھا ان میں سے ایک
کے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا اور سب سے پہلے ہی اس کی کوٹھڑی کی طرف بڑھا باقی لوگ اس کی
کمان میں ڈنڈے تھامے جلوس کی شکل میں کشمیر اسٹگھ کو گالیاں دیتے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے
تھے.....

گالیاں پکتے ہوئے اس نے کشمیر اسٹگھ کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طوفان

بدتمیزی در آیا اور جتنے لوگ آسانی سے اس کوٹھڑی میں ساکتے تھے انہوں نے کشمیر اسٹگھ کو اپنی لاشیوں
سے پیشا شروع کر دیا۔

شاید سب کو اس ”سعادت“ کا موقعہ نصیب نہیں ہوا تھا اور باہر موجود درندے اس صورتحال پر
تکملہ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو گالیاں پکتے ہوئے کہا کہ کشمیر اسٹگھ کو باہر لے آئیں اور
اب وہ لوگ اس کو دونوں ٹانگوں سے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔

اس کے ساتھ ہی سارا جلوس اس پر پل پڑا.....

کشمیر اسٹگھ کی زبان کو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا.....

جب تک وہ ہوش میں رہا انہیں گالیاں دیتا رہا پھر بے ہوش ہو گیا..... تین مرتبہ وہ اسے ہوش
میں لا کر مارتے رہے پھر اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں وہ مری نہ جائے اسے دوبار کوٹھڑی میں
پھینک کر تالا لگا دیا۔

☆☆☆

اس مرتبہ کشمیر اسٹگھ کو ہوش آیا تو اس کے جسم نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔
پاس سے اس کے حلق میں کانٹے اور ہونٹوں پر صحرائی مسافروں کی طرح پڑیاں جم رہی
تھیں۔
لیکن.....

اس نے پانی مانگنا اپنی توہین خیال کیا.....!!

اپنی ساری توانائیاں بمشکل مجتمع کر کے اس نے کروٹ بدلی تو کشمیر اسٹگھ کو یوں لگا جیسے اس کی
ساری پسلیاں ٹوٹ چکی ہوں۔

اس کی آنکھوں میں البتہ باہر کا منظر دیکھنے کی سکت ابھی باقی تھی۔ اس مرتبہ جو منظر اس نے
دیکھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس نے یہی سوچا کہ وہ بے ہوش ہی رہتا تو بہتر تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے قریبی ساتھی منوہر اسٹگھ کا ادھ موا جسم لنگ رہا تھا اور ایک
سفید پوش جس نے ہاتھ میں دھکتی سلاخ تھامی ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ پر دھکتے لوہے سے نشان لگا
رہا تھا.....

جب بھی وہ منوہر اسٹگھ کے جسم پر ضرب لگاتا۔ ذبح ہوئے بکرے کی طرح اس کے حلق سے چیخ
نکلتی اور پھر خاموشی چھا جاتی.....!

کشمیر اسٹگھ نے بے ہوش ہونے سے پہلے آخری منظر یہی دیکھا کہ ان لوگوں نے دھکتی سلاخ

کا آدھا حصہ منو ہر سنگھ کے بے جان جسم میں اتار دیا تھا۔ کیونکہ اس کی چیخ بلند نہیں ہوتی تھی۔
اس بات سے کشمیر اسٹگھ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کی روح اب بدن کی قید سے آزاد ہو چکی ہے۔

بے ہوش ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے ان ساتھیوں کی سب سے بڑی اور جگہ جگہ سے جلی ہوئی لاشیں لہراتی رہی ہیں جنہیں پولیس والے جعلی مقابلے میں مار کر پھینک جایا کرتے تھے۔

وہ جانتا تھا کہ گولیاں ان کے مردہ جسموں پر چلائی جاتی ہیں اسے علم تھا کہ جس عقوبت خانے میں سے لایا گیا ہے۔ یہ خالصتاً حریت پسندوں کے لئے مخصوص تھا اور یہاں ان کے جسموں سے بوٹی بوٹی لگ کر کے انہیں دیت ناک موت مرنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔
اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جائے گا۔
لیکن وہ مطمئن تھا۔!

سنت جرنیل سنگھ بھندرا نوالا کے ہاتھوں "امرت سبھار" کرنے کے بعد اب موت سے اسے والہانہ لگاؤ سا ہونے لگا تھا۔ وہ "پنتھ کی چڑھدی" کے لئے مرنا اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا۔!
درد کی لہروں نے جانے سے اسے کب تک اٹھا اٹھا پناہ اور سونے کا خواب سے بیگانہ کر دیا۔

☆☆☆

اس مرتبہ اس کی آنکھ خود نہیں کھلی تھی۔!

اسے ہوش میں لایا گیا تھا۔!

کشمیر اسٹگھ کو احساس نہ ہوسکا کہ اس کے جسم میں توانائی کو برقرار رکھنے والے "انکشن" لگائے گئے تھے۔ شاید یہ لوگ ابھی اسے کچھ دن مزید زندہ رکھنا چاہتے تھے۔

شاید انہیں اس بات کی امید تھی کہ وہ کشمیر اسٹگھ کے منہ سے اپنے مطلب کی بات اگلا لیں گے۔
اس نے دیکھا۔ اس مرتبہ وہ ایک قدرے بہتر کمرے میں موجود ہے۔ جہاں ایک طرف کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں قالین نما چٹائی بچھائی گئی تھی اس کے سامنے تین چار سفید پوش کھڑے تھے جن میں ایک ڈاکٹر اور اس کا مددگار بھی شامل تھے۔

ہوش میں آتے دیکھ کر ڈاکٹر کے ساتھی نے کونے میں دھری میز پر موجود دودھ کا گلاس اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

کشمیر اسٹگھ نے چند ثانیے کے لئے آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لیا۔ شاید اس کا جسم تھوڑی دیر کے لئے کسی نشتے کے تحت بے حس کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہا تھا۔!!
"پی لو..... ہم ڈاکٹر ہیں ہمارا تعلق پولیس سے ضرور ہے لیکن بہر حال اس وقت اس نے ڈاکٹر کی طرف زخمی نظروں سے دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے دودھ کا گلاس اٹھا کر اس طرح ظاہر کیا جیسے وہ دودھ پینے لگا ہو۔
لیکن.....!

وہاں موجود وحشیوں کی توقعات کے بالکل برعکس اس نے گلاس اپنے جسم میں موجود ساری قوت کو اپنے ہاتھ میں مجتمع کر کے سامنے کھڑے ڈاکٹر کی طرف پھینکا جو کسی غیر آزادی اور برقی عمل کے تحت اچانک ہی ایک طرف مڑا اور گلاس اس کے پیچھے کھڑے ایک اور سفید پوش کے منہ پر لگا۔!

جس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔!

دودھ زمین پر گر کر چٹائی میں جذب ہو رہا تھا اور اس کے چھیننے قریباً سب ہی لوگوں کے کپڑوں پر پڑے تھے۔

جس کے منہ پر گلاس لگا تھا وہ غصے سے کھول اس کی طرف لپکا لیکن اچانک ہی ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھایا اور وہ اپنی جگہ کسی "معمول" کی طرح جم کر رہ گیا۔

کشمیر اسٹگھ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس شخص کو خود پر قابو پانے میں کتنی مشکل پیش آرہی تھی۔
اپنی قمیض کی آستین سے اس نے منہ پر بہتا خون پونچھا اور غصے سے کھول کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے کہ تمہاری تفتیش، گرفتاری یا کسی اور معاملے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہم سرکاری اور اخلاقی طور پر صرف تمہارے علاج کے ذمہ دار ہیں تمہیں بہت چوٹیں لگی ہیں اور تمہارا معدہ بھی خالی ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری جسمانی حالت قدرے نارمل ہو جائے اور ہم واپس لوٹ جائیں..... مجھے امید ہے تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔ یوں بھی کسی سکھ کا کسی ڈاکٹر پر حملہ کرنا زب نہیں دیتا وہ بھی اس صورت میں جب ہم یہاں تمہاری جان بچانے کے لئے آئے ہیں۔"

ڈاکٹر کی بات نامکمل ہی تھی جب اچانک ہی کشمیر اسٹگھ نے اسے ٹوک دیا۔

"تم کہتے ہو..... کہ اس کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں اس عقوبت خانے میں کسی کو زندگی دینے

بعد کسی خالستانی کا زندہ بچ نکلتا معجزے سے کم نہیں۔

ایس پی اس کے سامنے کچھ قاضی پر پکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھام رکھا تھا۔

اس کے اشارے پر اس کے ہاتھوں سے کشمیر اسٹگہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور دیوار سے لگی مضبوط کرسی پر بٹھا کر اس نے منسلک بیلٹوں کے ساتھ اسے اس طرح باندھ دیا کہ پھر کشمیر اسٹگہ کے لئے سوائے زبان ہلانے کے اور جسم کے کسی حصے کو جنبش دینا ممکن نہیں رہا۔

اپنا کام مکمل ہونے پر وہ لوگ ایس پی بھلے اشارے پر کمرے سے باہر نکل گئے اب اس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”کشمیر اسٹگہ! میں تمہاری زندگی کی ضمانت تو دے نہیں سکتا لیکن اتنا ضرور

کہتا ہوں کہ بات اگلوآنے کے ہمارے پاس اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں آج ہی گولی مار کر تمہاری جان خلاصی

کر دوں گا لیکن ایسی بات نہیں۔ ابھی تمہاری ماں زندہ ہے۔ تمہاری دو بہنیں ہیں۔ تمہاری منگیتر ہے۔ ہم سب کو ایک ایک کر کے تمہارے سامنے

لائیں گے اور ان کا جو حشر یہاں ہو گا اس کا تم اندازہ لگا سکتے ہو۔ کشمیر اسٹگہ

یہاں انسان نہیں درندے بستے ہیں۔ یہاں انسان کا نہیں جنگل کا قانون چلتا ہے۔ ہم خود اپنے قانون بناتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔“

جیسے جیسے ایس پی بھلے کے منہ سے باتیں نکل رہی تھیں کشمیر اسٹگہ کو اپنا وجود پگھلتا محسوس ہو رہا تھا۔

پولیس کے درندے ان کی ماؤں بہنوں کا جو حشر کرتے تھے وہ اس سے

بخوبی آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا اگر اس نے کچھ نہ بتایا تو یہ لوگ اس کی بہنوں کو

اس کی ماں کو اور اس کی منگیتر کو اس کی آنکھوں کے سامنے بے آبرو کریں گے

اسے گلزار اسٹگہ کی بہن کا انجام یاد آ گیا۔ جسے اس درندگی کے ساتھ بے آبرو کیا گیا تھا مسلسل جنسی تشدد کا نشانہ بننے کے بعد اس نے جان دے دی تھی۔

”دا بگورو! سچے بادشاہ مجھے اس امتحان میں بھی سرخرو کرنا۔“ اس نے

دل ہی دل میں اراداس کی۔

”تم چاہتے کیا ہو؟“ کشمیر اسٹگہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

کے لئے نہیں بلکہ اذیت ناک موت سے دوچار کرنے کے لئے لایا جاتا ہے اور میں بھی یہاں مرنے کے لئے ہی آیا ہوں۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ میرے جسم کو تھوڑی طاقت پہنچا کر زیادہ دیر تک مشق ستم جاری رکھ سکو۔ لیکن میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔! میں نے مرنا ہے لیکن تمہاری خواہش کے مطابق نہیں مروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی خوش ہونے کا موقعہ دوں۔ تم جو کوئی بھی ہو ایک بات یاد رکھنا کہ تمہارا کوئی بھی حربہ مجھ سے ایک لفظ نہیں اگلا سکتا۔ تم لوگ اپنے دل میں یہ حسرت لے کر میں مر جاؤ گے کہ کشمیر اسٹگہ نے تمہارے سامنے ہتھیار نہیں لے لئے تھے۔ میں گورو کو بند اسٹگہ کا سکھ ہوں۔ مجھے آن اور شان سے جینا ہی نہیں مرنا بھی آتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ سے زہر بھی نہیں لوں گا۔ تم سانپ کے بچے ہو۔ اڑدے ہو۔ تم مجھے دودھ اٹاؤ گے۔ تم تو خود ہمارے خون پر پلے بڑھے اور اس قابل ہوئے ہو کہ آج ہم پر ہی ستم ڈھا سکو۔ میں تمہارے روتی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ دفع ہو جاؤ اور ان کتوں سے کہہ دو جنہوں نے تمہیں یہ ڈیوٹی سونپی ہے کہ ہر دم مر۔ ان کے لئے تیار ہوں۔“

اپنی بات ختم کر کے اس نے زور زور سے ”جے کارے“ بلند کرنے شروع کر دیے۔

☆☆☆

اچانک ہی سامنے کا دروازہ صدمہ اور اس نے اس کی بھلے کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے

تقاب میں آنے والوں نے فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھوں کو الٹا کر کے پھکڑی لگا دی تھی اور اسے

دیوار کے ساتھ لگا کر بیٹھا دیا تھا۔ کشمیر اسٹگہ نے ایس پی بھلے کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔

اس کی شکل تو سکھوں والی تھی۔ لیکن۔!

ایک عرصے سے جانے کتنے سکھ دل میں یہ تنہا لئے پھرتے تھے کہ کب موقعہ ملے اور اسے کتنے کی موت مار ڈالیں۔ دو مرتبہ وہ جان لیوا حملوں سے بچ نکلا تھا۔ ایک حملے میں تو اس کے پیٹ اور بازو میں گولیاں بھی لگی تھیں اور دس روز تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ بچ چکا تھا!!

اس حملے کے بعد سے اس کی آتش انتقام زیادہ شدت سے بھڑکنے لگی تھی اور اس نے خاص طور سے اپنی ڈیوٹی اس عقوبت خانے میں لگوائی تھی۔

یہ بات سکھوں میں عام طور پر کہی جاتی تھی کہ ایک مرتبہ ایس پی بھلے کی گرفت میں آنے کے

ایس پی بھلہ نے اچانک ہی اپنی دانست میں بڑا نفسیاتی حربہ آزمایا تھا۔
 کشمیر اسٹگمہ خاموش رہا.....!!
 ”تم غلط کہہ رہے ہو..... پولیس کی عادت ہے جھوٹ بولنا اور تم اس کے
 باہر ہو“.....

بالا آخرا اس کے منہ سے نکلا۔

”ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ خواہش بھی پوری کئے دیتے ہیں۔“.....

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میز کے دوسرے کونے پر رکھے انٹرکام کے ذریعے اس نے کسی سے انگریزی میں ”دائیت
 فلاور“ کو لانے کے لئے کہا تھا.....!!

کشمیر اسٹگمہ سمجھ گیا کہ ”دائیت فلاور“..... اس ٹاؤٹ کا کوڈ نام ہوگا جس نے یہ اطلاع پہنچائی
 ہے۔

دوسری طرف سے کہا گیا؟

اس کی سمجھ اسے نہ آ سکی کیونکہ کشمیر اسٹگمہ نے ایس پی بھلہ کو صرف ”ہوں ہاں“ کرتے ہی سنا
 تھا۔

”کشمیر اسٹگمہ! تم نو جوان بہنوں کے بھائی اور اپنے بوڑھے والدین کی آخری امید ہو۔ بے
 وقوف نہ بنو..... تم جاٹ ہو جانتے ہو کوئی کسی کو اپنی زمین کا ایک انچ نہیں دیتا..... تمہیں بھارت سرکار
 خالصتاً کہاں سے دے دے گی۔ تمہارے لئے زندہ رہنے کا صرف ایک ہی پاس ہے کہ اپنے
 ساتھیوں میں رہ کر ہمارے لئے کام کرتے رہو..... تمہاری بہنیں بطور ضمانت ہماری نظروں میں
 رہیں گی..... اس میں تمہارا بھلا ہے۔“.....

بالا آخرا اس نے فون رکھ دیا اور اب کشمیر اسٹگمہ سے مخاطب تھا.....!!

کشمیر اسٹگمہ کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس شخص کو جو بار بار اسے اس کی بہنوں کی آبروریزی کی
 دھمکی دے کر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے جان سے مار ڈالے۔

لیکن.....!

وہ مجبور تھا.....

بندھا ہوا تھا.....

شیر کو بھی تو لوگ باندھ کر پنجرے میں رکھ دیتے ہیں لیکن اس سے وہ گنڈ تو نہیں بن جاتا۔

”کشمیر اسٹگمہ تم سرحد پار گئے تھے۔ وہاں سے تربیت لے کر آئے ہو۔ تمہیں
 اس جگہ کا بھی علم ہے جہاں شو بیک سٹگمہ نو جوانوں کو تربیت دے رہا ہے۔ پہلے
 سب کچھ بتادو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے ہمارے ساتھ تعاون کیا تو ہم
 بھی تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔“

ایس پی بھلہ نے اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

اس نے کشمیر اسٹگمہ کی بات سے یہی اندازہ لگایا تھا جیسے وہ رام ہو گیا ہو اور
 اپنی سنوں اور سنگیت کی آبروریزی کے خوف سے جھک گیا ہے۔

لیکن.....!

کشمیر اسٹگمہ کے اور سوچ رہا تھا۔

شاید وہ زندہ ہوں عقوبت خانے سے نکل سکتا۔ عین ممکن ہے کہ اسے اپنے
 ساتھیوں تک کوئی باہر پہنچانے کا موقع مل جائے۔

وہ جانتا چاہتا تھا کہ وہ..... اس نے یہ ساری باتیں اٹیلی جنس تک
 پہنچائی ہیں۔

وہ آستین کے اس سانپ کی اوصاف جان کر کسی نہ کسی طرح اپنے
 ساتھیوں تک اس کا نام پہنچانا چاہتا تھا تا کہ وہ لوگ اس کے سر سے آئندہ
 کے لئے محفوظ ہو جائیں۔

”دیکھو ایس پی صاحب! کہیں اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں زنجیروں سے
 بندھا ہوا ہوں اور تم مجھے ڈرا دھمکا کر ہر بات منالو گے۔ تم جھوٹ بول رہے
 ہو۔ تمہاری دونوں اطلاعات غلط ہیں۔ میں تمہیں بتا دوں کہ تمہارے کسی
 ”ٹاؤٹ“ نے دونوں اطلاعات صرف اپنے نمبر بنانے کے لئے تم تک
 پہنچائی ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ یہ لوگ تمہیں بے وقوف بنا کر دراصل اپنا الو
 سیدھا کر رہے ہیں.....“

کشمیر اسٹگمہ بولا۔

اس کی اس بات پر ایک لمحے کے لئے ایس پی بھلہ سوچ میں پڑ گیا۔

”اگر ہم اس شخص کو تمہارے سامنے لے آئیں جس کے سامنے تم نے ساری
 باتوں کا اقرار کیا ہے۔ تب تم کیا کہو گے؟“

اس نے سوچا.....!

فی الوقت اس نے صرف وقت گزارنے کی حکمت عملی اپنائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جیسے ہی اس کے ساتھیوں کو اس کے غائب ہونے کا علم ہوا۔ وہ لوگ بہر صورت اس کی بہنوں کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ پولیس کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں اور اگر اس نے ابھی سے ضد باندھ لی تو یقیناً ممکن ہے کہ اس سے پہلے پولیس ان تک پہنچ جائے اسے موت سے ذرہ برابر ختم نہیں تھا۔

لیکن.....!

یہ سوچ ہی اسے مار دینے کے لئے کافی تھی کہ اس کی بہنوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے وحشی ہندوؤں کے بے عزت کر دیا جائے گا۔

بے بسی سے وہ بھلے کی شکل دیکھتا رہا.....

اور.....

ایس پی بھلہ نے بھی سمجھا کہ اس کے دام میں پھنس رہا ہے اس نے گھنٹی بجائی اور سفید پوش دندتاتے اندر داخل ہو گئے۔

”سردار صاحب کو لنگر پانی دو..... تھوڑی دیر بعد ہم دوبارہ ملیں گے۔“

اس نے آنے والوں کو آنکھ کا مخصوص اشارہ کیا.....!

”جو حکم جناب“..... ان کے کمانڈر نے جواب دیا۔

انہوں نے کشمیر اسٹیک کو کرسی کی قید سے آزاد کر دیا تھا اور اس نے ہاتھوں کو سیدھا کر کے پھکڑی لگا دی تھی۔ ابھی تک انہوں نے اس قید خانے میں بھی اس کی پھکڑی اتارنے کا خطرہ نہ لیا تھا.....!!

جس سیل سے وہ اسے لائے تھے اس کے نزدیک لے جا کر انہوں نے کشمیر اسٹیک کی پھکڑی کھوئی اور اسے سیل کے اندر داخل کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

چند منٹ بعد ہی اس کے لئے کھانا آ گیا.....

نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کھانا زہر مار کیا۔ کیونکہ اس مرحلے پر وہ کھیل لگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

شام کا ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا جب اس نے دل ہی دل میں پاٹھ شروع کیا اور آخر میں ارداس (دعا) کی کردا گورو اسے اس کے فیصلے پر قائم رکھے۔

شام کو پھر اسے دودھ کا گلاس بھر کر پینے کے لئے دیا گیا.....!!

☆☆☆

رات کے پہلے پہر وہ ابھی جاگ ہی رہا تھا جب اسے پہرے دار اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔

کشمیر اسٹیک نے اندازہ لگایا کہ اب وہ زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔ ایک مرتبہ پھر دل ہی دل میں اس نے دعا کی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

آنے والوں نے اس کی کھڑکی کا دروازہ کھولا.....!

ان میں سے ایک نے اس کے ہاتھوں میں پھکڑی پہنائی اور اسے اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔

کشمیر اسٹیک نے کھڑکی سے باہر آ کر آخری مرتبہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں چاروں طرف سیاہ بلیاں منڈلا رہی تھیں.....!

رات نے ابھی سے ماتی لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

وہ لوگ اسے اس عمارت کے اندر ہی دوسرے بلاک کی طرف لے جا رہے تھے..... اپنے چاروں طرف اسے مستعد پہرے دار اور سرچ لائٹس دکھائی دے رہی تھیں۔

اپنے ارادوں کی طرح مضبوط قدم دھرتا وہ موت کے سفر کی طرف گامزن تھا۔ اس مرتبہ اس کے سفر کا اختتام جس کمرے پر ہوا تھا وہ ایس پی بھلہ کا دفتر تھا۔ کمرے کے باہر ہی بھلہ اس کا منتظر تھا.....

اس کے ساتھ آنے والے وہیں رک گئے اور کشمیر اسٹیک بھلہ کے اشارے پر اندر داخل ہو گیا۔ بھلہ نے اندر داخل ہونے پر سامنے آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔

”کشمیر اسٹیک! میں صرف تمہاری تسلی اور اس بات کی یقین دہانی کے لئے کہ

اگر تم بھی ہمارا ساتھ نہ دو تو بھی تمہارے ساتھیوں میں موجود ہمارے لوگ

ہمارا کام کرتے رہیں گے تمہیں اس شخص سے ملنا رہا ہوں۔ حالانکہ اس سلسلے

میں اعلیٰ حکام کو میں نے ناراض کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم

میرے شہر کے رہنے والے ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری بہنوں کی بے

حرمتی بھی ہو اور تم کتے کی موت بھی مارے جاؤ..... کشمیر اسٹیک اپنی بہنوں کی

غیرت کا سودا سکھ نہیں کیا کرتے..... تمہاری اس بہادری کا کیا فائدہ۔ اس

بات کا پتہ بھی چل گیا تھا کہ انٹیلی جنس کو ان کے بہت سے منصوبوں کی پہلے سے اور کبھی کبھی بعد میں خبر کیسے ہو جاتی ہے؟

واقعی اس نے ایک روز پر تاب کور کے سامنے ٹریننگ حاصل کرنے کا اقرار اس طرح کیا تھا جب پر تاب کور نے شدت سے تربیت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا تھا کہ وہ خود ہندوؤں اٹھا کر میدان جنگ میں اترنا چاہتی ہے.....!!

کشمیر اسٹگھ کے منہ سے یہ راز اگلوانے کے لئے پر تاب کور نے کیا کیا جتن نہیں کئے تھے.....! اس کے سامنے بار بار اپنے اسلاف کی عورتوں کی بہادری کے قصے دہرا کر خود بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کیا تھا اور اس سے درخواست کی تھی کہ اسے بھی کم از کم ہندوؤں چلانے کی تربیت تو دلا دے۔

اچانک ہی اس کا مغر گھوم گیا.....! اس نے اپنی تمام سوچ پر لعنت بھیج کر جس طرح بھی ممکن ہو اس ناگن کو مار دینے کا فیصلہ کر لیا تھا.....

کشمیر اسٹگھ اسے مار ڈال..... اسے مار ڈال..... ورنہ یہ ناگن ایک ایک کر کے تیرے سارے ساتھیوں کو ڈس لے گی۔“

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی..... پر تاب کور نے اس وقت بھی اپنا ”سکھی مر یادہ“ والا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ اپنی دانست میں ”فتح“ بھاتی مسکراتی ہوئی اس ارادے سے اس کی طرف آ رہی تھی کہ اس کے نزدیک موجود کرسی پر اطمینان سے بیٹھ جائے۔

کشمیر اسٹگھ بھی ”فتح بھاتا“ اٹھ کر کھڑا ہو گیا..... ایس پی بھلہ نے بھی سمجھا تھا کہ پر تاب کور کی شخصیت سے متاثر ہو کر وہ احتراماً اٹھ کر کھڑا ہوا ہے۔

یہ تو کشمیر اسٹگھ تھا جب وہ اس کے بڑے بڑے افسروں کے سامنے آتی تھی تو وہ لوگ بھی غیر ارادی طور پر اس کے رعب حسن کو نڈر گزارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

بھلہ بھی مسکراتا ہوا مطمئن انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھنے لگا تھا.....! اپنی کرسی پر بیٹھنے کے لئے اسے سامنے پیچھی بڑی میز کا چکر کاٹنا پڑا جس پر اس کا ریوالبور رکھا تھا.....!!

طرح تو مرتے ہوئے بھی تمہارے دل میں پچھتاوہ رہے گا..... ایس پی بھلہ بار بار اسے اس کی بہنوں کی آبروریزی کی دھمکی دے کر شاید نفسیاتی طور پر اسے نامرد بنانا چاہتا تھا۔

حالانکہ..... اس کی توقعات کے برعکس کشمیر اسٹگھ نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پا رکھا تھا۔ اسے دکھانے کے لئے بھلہ نے میز پر رکھا ریوالبور کھول کر گھمایا تھا شاید اسے بتانا چاہتا تھا کہ یہ بھرا ہوا ہے۔

”اور ہاں اس شخص کو دیکھ کر حیران نہ ہونا بلکہ میں تمہارا اور اس کا جواز کروا کر مستقبل میں تمہارے لئے ترقی کے بے شمار دروازے کھول رہا ہوں۔ کشمیر اسٹگھ موج کرو گے موج..... لعنت بھیجو کیا رکھا ہے اس ”امرت رھاری“ زندگی میں.....

اتنا کہہ کر اس نے ایک ہاتھ میں ریوالبور کھولا اور دوسرے ہاتھ سے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھول دیا.....

☆☆☆

دروازہ کھلے پر جو شخصیت اندر داخل ہوئی تھی اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کشمیر اسٹگھ چند ثانیے کے لئے بوکھلا کر ہی رہ گیا۔

یہ پر تاب کور تھی.....! پراسرار پر تاب کور.....!!

جس نے چند دنوں کے اندر بھنڈرا نوالہ کے ساتھیوں کا اتنا اعتماد..... لیا تھا کہ اس کا شمار بلاشبہ ”خواص“ میں ہونے لگا تھا.....! وہ تو سنت جی کے ساتھیوں کے ساتھ بڑے بڑے فیصلوں میں شامل ہونے لگی تھی اور بلاشبہ عورتوں کے جتنے میں اسے انتہائی اہم اور ممتاز مقام حاصل تھا.....!

”تو اس ناگن کو ایک سازش کے تحت ان میں داخل کیا گیا تھا۔“ کشمیر اسٹگھ نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

وہ لرز کر رہ گیا.....!

اگر یہ عورت زعمہ رہی تو ایک ایک کر کے سب کو کتے کی موت مروا دے گی۔ اب اسے اس

چند لمحوں کے لئے اس کی پشت کشمیر اسگھ کی طرف ہوئی.....!

یہی وہ لمحات تھے جو بھارتی انٹیلی جنس کی تاریخ کے محسوس ترین لمحات بن گئے!

کئی قیامتیں ایک ساتھ ٹوٹی تھیں.....!!

خدا جانے کشمیر اسگھ کے جسم میں کون سی بجلیاں بھر گئی تھیں کہ اس نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ریوالور اٹھالیا.....

بندھے ہاتھوں سے ایس پی کے سیدھا ہونے سے پہلے پہلے نہ صرف ریوالور کو فائرنگ کے لئے تیار کیا بلکہ دو گولیاں پر تائب کور کے سینے میں اتار دیں۔

بھلے کسی وماغی جھٹکے کے تحت اس کی طرف جھکا اور تیسری گولی اس کے ماتھے کے عین درمیان پیوست ہو گئی.....!

اس کی موت تو اس ایک گولی سے ہو گئی تھی۔

لیکن.....!

احتیاطاً کشمیر اسگھ نے ایک اور گولی اس کے دل میں اتار دی.....!!

اچانک فائرنگ کی آواز نے باہر موجود سفید پوشوں، سیکورٹی چوکیداروں، جب وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو یہاں تین لاشیں ان کی منتظر تھیں۔

کشمیر اسگھ کا آخری شکار اس کی اپنی ذات تھی.....!!

اس نے گولی اپنی کینٹین میں اتار لی تھی اور کمرے کے بل پر گر اٹھا!

دھڑکیوں کی طرح چیختے چلاتے جب یہ خونی درندے اندر پہنچے تو اس کی کینٹین سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی.....

پر تائب کور اور ایس پی بھلے کے جسموں سے بھی خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔

لیکن.....!

دونوں کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں پھٹی دکھائی دے رہی تھیں۔

بادی النظر میں یہی اندازہ ہوتا تھا کہ مرنے سے پہلے دونوں کے ذہن کے کسی کونے میں بھی یہ بات نہیں رہی تھی کہ کشمیر اسگھ ان کے ساتھ یہ کچھ کر کرے گا.....!

یہ سب کچھ ان کے لئے اچانک اور بوکھلا دیئے والا تھا.....!

ان ہی کے لئے نہیں بلکہ باہر موجود پہرے داروں کے لئے بھی.....!

ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں رہی ہوگی کہ ایس پی بھلے بھی کبھی کسی کے متعلق غلط

اندازہ لگا سکتا ہے.....!

جتنے قریب سے اور جس خطرناک جسمانی حصے پر انہیں گولیاں لگی تھیں اس کے بعد ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان تو نہیں تھا۔

لیکن.....!

پھر بھی انہوں نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایس پی بھلے اور پر تائب کور کی لاشیں ہسپتال تک پہنچا ہی دیں جہاں چند منٹ بعد ہی ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے دونوں کی ”مرتبہ“ (موت) کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

☆☆☆

350 کلومیٹر تک پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالے امرتسر کے نزدیک اپنے ڈیرے چوک مہتہ میں پہنچ گئے تھے۔

20 ستمبر کو انہوں نے چوک مہتہ امرتسر سے گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلے کا اعلان سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر بھائی امریک سنگھ نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں کیا۔

اعلان کے ساتھ ہی دہلی سے پیرا ملٹری فورسز نے پنجاب پر یلغار شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ٹرینوں، ٹرکوں، بسوں، ہوائی جہازوں کے ذریعے ہزاروں کی تعداد میں سی آر پی آر ٹر پولیس ریزورفوس اور بی ایف کی ٹینس پنجاب میں اترنے لگیں۔

سیکورٹی فورسز کا زیادہ دباؤ امرتسر، لائل پور اور جالندھر پر تھا۔ انٹیلی جنس کو علم تھا کہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالہ کی گرفتاری کو سکھ یوں ٹھنڈے پیوں برداشت نہیں کریں گے۔ بھارت اور دنیا کے کونے کونے سے سکھ امرتسر میں جمع ہونے لگے تھے۔

19 ستمبر 81ء کی شام تک پولیس کی پابندیوں کے باوجود 30 ہزار کے لگ بھگ سکھ جن میں ”ہنگ سکھ“ بھی خاصی تعداد میں تھے۔ چوک مہتہ میں جہاں سی آر پی آر نے گرفتاری دینی تھی جمع ہو چکے تھے۔

ان میں سینکڑوں کی تعداد میں انٹیلی جنس کے اہل کار بھی موجود تھے جن کا ہوم میں ”تر بیت یافتہ دہشت گردوں“ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

سٹے شہرہ پروگرام کے مطابق 20 ستمبر کی دوپہر کو سنت جرنیل سنگھ بھنڈرا نوالے دہلی ٹنڈال کے بگلی دروازے سے برآمد ہوئے اور پیدل ہی چوک مہتہ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ان کے تعاقب میں گوردوارے میں موجود پچاس ہزار سکھ مرد، عورتیں بوڑھے اور بچے بھی اکٹرا گئے۔

چاروں طرف سکھوں کا ٹھانٹھا مارنا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ ان لوگوں نے بھاگتے ہوئے سنت جرنیل سنگھ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن انتظامیہ کی

خواہش پر ان کے سامنے سے ہٹ گئے۔

سیکورٹی کے جوان کسی بھی ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کھڑے تھے! جب اچانک انہوں نے دو آرمڈ کاریں اس طرف آتے دیکھیں۔

دونوں کے درمیان عام پولیس کار تھی جس میں پولیس والوں نے بڑی پھرتی سے سنت جرنیل سنگھ کو بٹھالیا اور دونوں آرمڈ کاروں نے اس کار کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

پولیس کے اسی قافلے نے لدھیانہ کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ اس سفر کے آغاز سے تھوڑی دیر بعد ہی ہجوم مشتعل ہو گیا۔

ہنگ سکھنگی کرپانوں کے ساتھ پولیس پر حملہ آور ہو گئے ہیں جس کے جواب میں پولیس نے فائرنگ شروع کر دی۔

اس درمیان کسی نے پولیس کے اس ٹرک کو ہڈ راکش کر دیا جس میں اسلحہ لدھا تھا۔ پھر کیا تھا۔

اسلحہ پھینکنے سے ہر طرف دھماکے ہونے لگے۔ قیامت کا سماں تھا جس کا جدرہ مندانہ اس نے ادھر ہی بھاگنا شروع کر دیا۔

ایک طوفان بدتمیزی درآیا۔ انسان کا جسمولی کی طرف کٹ کر گرنے لگے۔ زخمیوں اور مقتولین کی لاشیں سکھ فوراً اٹھا لیتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ پولیس کسی مرنے والے کی لاش ان کے حوالے نہیں کرتی۔

اس بھاگ دوڑ اور افراتفری میں درجنوں پولیس اہل کار بھی زخمی ہوئے جب مطلع صاف ہوا تو وہاں درجنوں لاشیں اور زخمی موجود تھے۔

پولیس کا دعویٰ تھا کہ مرنے والوں کی گنتی بارہ ہے۔ جب کہ سکھ اس تعداد کو گنتی زیادہ بتاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ پولیس نے بیشتر لاشیں ایک جگہ اکٹھی کر کے انہیں خود جلا کر اپنے جرم کا نشان منادیا تھا۔

☆☆☆

اس واقعے نے پنجاب بھر میں آگ لگادی تھی۔ مہتہ چوک میں سکھوں کے قتل عام کی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پنجاب کے گھر گھر میں پھیل گئی تھیں۔

اس مرحلے پر خاموش رہنا خالصتاً نواز سکھوں کے لئے ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اندازہ کر

رہے تھے کہ براہمن ان کی غیرت کو آزار پہا ہے اور اگر وہ خاموش رہتے ہیں تو عین ممکن ہے کہ باقی سکھوں کی طرح حکومت جرنیل سنگھ بھنڈراوالہ کو بھی کسی جھوٹے مقابلے میں نہ مار ڈالے۔ کیونکہ.....!

اس طرح کے من گھڑت واقعات اخبارات کا معمول بن چکے تھے اور روزانہ کسی نہ کسی سکھ کے "فراز" ہونے یا "مقالے کے دوران" مارے جانے کی خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ یہی وقت تھا جب خالصتان نواز سکھ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس ظاہر سے وہ جہاں ایک طرف حکومت کو یہ باور کروانے جا رہے تھے کہ انہوں نے ہاتھوں میں چٹاں نہیں چھین رکھیں اور وہ کسی بھی صورت اپنے محبوب راہنما کو کسی من گھڑت مقابلے میں مرنے نہیں دے گے۔ وہاں دوسری طرف وہ اپنی قوم کا مورال بھی بلند کرنا چاہتے تھے.....!!

ابھی تک سنہ جرنیل سنگھ بھنڈراوالہ نے گوکہ کبھی کھل کر خالصتان کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ لیکن.....!

کوئی عقل کا اندھا بھی جانتا کہ وہ دراصل اندر ہی اندر اپنی قوم کو کس انقلاب کے لئے تیار کر رہے ہیں۔

ان کے پیروکار جو سنت جی کے ساتھ شامل رہتے تھے جانتے تھے کہ وہ خالصتان کی فوج کا حصہ ہیں۔

اور ان کا "گورو" انہیں آئے روز کسی "روز بد" کے لئے تیار رہے کے اشارے دیتا رہتا تھا۔ سنت جرنیل سنگھ نے ہر سکھ کو مسلح ہونے کا جدید تہیہ حاصل کرنے کی تربیت حاصل کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں خالصتان کے لئے نہ "ہاں" کرتا ہوں اور نہ "نہیں" کرتا ہوں۔ اگر سرکار نے ہمیں خالصتان دینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو ہم انکار کرنے والے کون ہوں۔ ان کے ایسے ہی بیانات نے بھارت کے سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچادی تھی اور پنجاب کے ہندو ابھی سے پنجاب میں اپنا مستقبل غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔

☆☆☆

20 ستمبر کی دوپہر کو پولیس نے سکھوں کا جوتل عام کیا تھا۔

اس کا جواب اس رات کو جالندھر سے اسے مل گیا.....!

تین مسلح موٹر سائیکل سوار جنہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے ڈھانپ رکھے تھے.....!

جالندھر کے "جگو چوک" میں آئے اور "خالصتان زندہ باد" کے نعرے مارنے اور ہوائی فائرنگ کرنے لگے۔

انہوں نے "جگو چوک" سے اپنا سفر شروع کیا اور لال بازار، گڑمنڈی، فٹ بال چوک سے گزرتے شہر میں گولیاں برساتے رہے۔ اس درمیان وہ خالصتان اور سنت جرنیل سنگھ زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔

گڑمنڈی کے نزدیک ان کا مقابلہ پولیس کی مسلح پارٹی سے ہوا۔ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ پولیس والے تعداد میں ان سے بیس گنا زیادہ تربیت یافتہ اور مسلح تھے۔ لیکن.....!

حیرت کی بات تھی کہ چار پولیس اہلکار ان کی گولیوں کا نشان بنے، جب کہ دس بارہ زخمی بھی ہوئے۔

تینوں موٹر سائیکل سوار جس طرح دندناتے آئے تھے۔ اسی طرح دندناتے ہوئے واپس چلے گئے۔

اس درمیان جالندھر میں ایک بھی سکھ ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا جس کی ہمدردیاں حکومت کے ساتھ ہوں۔ کیونکہ چوک مہر سے لاشیں اب جالندھر اور لدھیانہ پہنچی شروع ہو گئی تھیں۔

یہ وہ بد قسمت سکھ تھے جن کی لاشیں ان کے عزیز واقارب پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی نہ کسی طرح ٹریکٹروں، ٹرالیوں اور ٹرکوں میں چھپا کر ان کے گھروں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے.....!!

اگلی رات مسلح سکھوں کی طرف سے ترن تارن میں سی آر پی کی ایک پارٹی پر حملہ ہوا ایک آفیسر مارا گیا جبکہ اس کے تین جوان شدید زخمی ہوئے۔

اس کے ساتھ ہی تحریک کاری کے واقعات کا آغاز ہو گیا.....

خالصتان نواز سکھوں نے اپنی کارروائیوں کا آغاز ریل کی پٹریاں اکھاڑنے سے کیا۔ کئی جگہ ریل اور بسوں پر مسلح حملے ہوئے اور ان حملوں میں ہندوؤں کو جن جن کرنا نشانہ بنایا گیا۔

اس ضمن میں ایک بڑی تحریک کاری امرتسر سے جالندھر جانے والی ٹرین لائن پر ہوئی جہاں سکھوں نے ریل کی پٹری اکھاڑ دی تھی اور مال گاڑی کے کئی ڈبے الٹ گئے۔

یہ لائن دور دراز تک ریلوے ٹریک کے لئے بند رہی۔ سیکورٹی فورسز کے ساتھ سکھ حریت پسندوں کے مقابلے جاری رہے اور ہر روز پنجاب کے کسی

ذریعے کچل کر رکھ دیا جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ دونوں مفروضے جھوٹ ثابت ہوئے۔
سنت جی نے جان سے گزر کر اپنی صداقت منوالی اور ”دل خالصہ“ پر بھارت میں پابندی عائد
ہو چکی ہے۔

20 مارچ 1981ء کو دل خالصہ نے سکھوں کے مذہبی مقام آند پور صاحب میں ایک خصوصی
کنونشن بلایا۔ جس میں سکھوں کے آزاد وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ یہاں خالصتان کا جھنڈا لہرایا گیا۔
جسے ہزاروں سکھوں نے سلامی دی اور خالصتان کا باقاعدہ نقشہ بھی جاری کر دیا گیا۔ ہر سمرن سنگھ
آخری اطلاعات تک دہلی کی تہاڑ جیل میں نظر بند ہیں۔

☆☆☆

نیشنل کونسل آف خالصتان بھی 1978ء میں ڈاکٹر جگجیت سنگھ چوہان اور پنجاب کے سابقہ
وزیر بین الاقوامی شہرت یافتہ سکھ مصنف شاعر اور فلاسفر بلیئر سنگھ سندھ نے مل کر قائم کی۔
ڈاکٹر جگجیت سنگھ چوہان تو بعد میں انگلستان چلے گئے اور آج کل وہیں بیٹھ کر اس کونسل کو چلا
رہے ہیں جب کہ ان کے دست راست بلیئر سنگھ سندھو نے ”دلکش مارکیٹ جالندھر“ میں کافی عرصے
تک اس کا دفتر قائم رکھا۔

سردار سندھو نیشنل کونسل آف خالصتان کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ وہ بلاشبہ سکالر ہیں۔ بھارت
میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے اور ایک پرنسپل زندگی کو تیاگ کر راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے
میدان عمل میں ڈٹے رہے۔

ان کی کتابیں ”موت دی چھاں بیٹھ“ ”دھول اڑ دی ہے“ ”جے بان لاگے“ پنجابی ادب میں
سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سردار بلیئر سنگھ کی کئی کتابیں انگریزی اور گورکھی زبانوں میں غیر ممالک سے شائع ہو چکی ہیں۔
1982ء میں جب حکومت نے ”دل خالصہ“ پر پابندی لگائی تو اگلے ہی روز یہ پابندی نیشنل
کونسل آف خالصتان پر بھی لگا دی گئی۔ جس کے بعد سے سردار بلیئر سنگھ سندھو زیر زمین چلے گئے
جہاں سے وہ آج تک تحریک خالصتان کے سرگرم لیڈر کی حیثیت سے منسلک ہیں۔

ان کی کوئی نہ کوئی نئی کتاب امریکہ، لندن، کینیڈا سے شائع ہوتی رہتی ہے۔ بھارتی حکومت کو
اس بات کا شوق تو ملتا رہتا ہے کہ سردار بلیئر سنگھ سندھو زندہ ہے۔

لیکن.....

وہ کہاں ہے؟

یہ بات کوئی نہیں جانتا۔

نہ کسی شہر میں پولیس کے ساتھ خالصتان نواز سکھوں کے سیدھے مقابلے کی خبریں آنے لگیں.....!!
اس درمیان حکومت کے اس اعلان نے کہ بھارتی پولیس نے دہلی تکسال سے ہم بنانے کی
ایک فیکٹری بھی پکڑی ہے.....!!

(اس فیکٹری میں دہلی بم تیار کئے جاتے تھے) پنجاب بھر میں سنسنی کی تازہ لہر دوڑادی۔
اس سے پہلے جو لوگ اسے ”ذاتی مسئلہ“ قرار دے رہے تھے وہ بھی یہ سوچتے پر مجبور ہو گئے کہ
اطلاعات ان کی توقعات سے کہیں زیادہ آگے بڑھ چکے ہیں۔

☆☆☆

سنت جھنڈا انوالہ کی گرفتاری سے پنجاب کے خالصتان نواز سکھوں کو بہت تقویت ملی.....!
اس درمیان پنجاب میں دو سکھ جتھے بنڈیاں واضح طور پر خالصتان کا نعرہ بلند کر چکی تھیں۔
ان میں ”دل خالصہ“ اور ”نیشنل کونسل آف خالصتان“ شامل ہے۔

دل خالصہ کا 1978ء میں چوک مہندہ میں زنکاریوں اور سکھوں کے درمیان ہونے والے
فساد کے بعد عمل میں آیا تھا۔

6 اگست 1978ء کو چناب لٹھ کے سیکٹر نمبر 3 میں اکال گڑھ گوردوارے میں ”دل
خالصہ“ قائم کی گئی۔ اس کی سپریم کمان میر..... سہرشارا، کئے گئے۔ سردار ہر سمرن سنگھ کو اس کا
”کھج“ بنایا گیا۔

پانچ مہری سپریم کونسل کا سب سے زیادہ سرگرم رہنما گندھ سنگھ تھا جو بعد میں جہاز اغوا کر کے
پاکستان لایا اور ازاں بعد لاہور کی جیل میں عرقید کی سزا بھگت کر رہا ہو چکا ہے۔

اس جتھے بندی نے اپنا کام اندری اندر جاری رکھا۔

ان کے خفیہ اجلاس ہوتے.....!

ان کی طرف سے لٹریچر تقسیم کیا جاتا.....

اور مختلف مذہبی مقامات پر اجتماعات میں سکھوں کو اپنے الگ اور آزاد وطن کے حصول کے
لئے تیار کیا جاتا۔ مختلف سکھ حلقوں کی طرف سے الزام عائد کیا جاتا ہے کہ دراصل یہ جتھے ہندی مرکز
کے اشارے پر سنت جرنیل سنگھ کا ”سحر“ توڑنے کے لئے قائم کئے گئے تھے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان ہی حلقوں کی طرف سے یہ پراپیگنڈہ بھی کیا جا رہا تھا کہ سنت
جرنیل سنگھ کانگریس کا آادی ہے جسے حکومت نے ”اکالی دل“ کے سر پر لٹکتی تلوار کی صورت چھوڑ رکھا
ہے تاکہ جب بھی اکالی دل سر اٹھائے یا کوئی الٹا سیدھا مطالبہ کرے تو اسے سنت جرنیل سنگھ۔

اپنے معاون سے کہا۔

اس درمیان جہاز کی ”پرسر“ (چیف ایئر ہوسٹس) نے دونوں کے لئے کافی کے ایک بنا کر پیش کر دیئے تھے اور ان سے ہنسی مذاق کے بعد واپس آ گئی تھی۔

ابھی ایئر ہوسٹس کو ”کانوئی“ کلاس میں پہنچے بمشکل چار منٹ ہی گزرے تھے جب اچانک وہاں ایک طوفان بدتمیزی در آیا۔

اچانک ایک نو عمر لڑکی اپنی سیٹ سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس نے کرپان فضا میں لہرائی اور خالصتان زندہ باد کا نعرہ بلند کر دیا.....!!

اس سے پہلے کہ ایئر ہوسٹس کو معاملات کی سمجھ آئے۔ اس کی تھلید میں جہاز کے مختلف کونوں میں موجود چار اور کچھ بھی کھڑے ہو کر نعرے بلند کرنے لگے جہاز کے مسافر خوف سے سہم کر رہ گئے.....!!

گزشتہ چند دنوں سے اخبارات میں جس طرح خالصتان نواز سکھوں کی سرگرمیوں کی خبریں آ رہی تھیں اس کے بعد سے بھارتی عوام ان کی دہشت گردی سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔

”خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی۔ یہ جہاز ہائی جیک ہو چکا ہے اگر کوئی مسافر اپنی جگہ سے ہلا تو ہم اس کا سرتن سے جدا کر دیں گے..... میرے ساتھیوں نے جہاز میں ڈائنامیٹ فٹ کر دیا ہے۔ اگر ذرا سی بھی ہوشیاری دکھائی گئی تو ہم جہاز کو اڑا دیں گے“۔

ابھی اس کی بات مکمل ہی ہوئی تھی جب نو عمر لڑکی نے اپنا بازو دھنگا کر کے لہرایا اور خالصتان زندہ باد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی کرپان بازو پر ناردی.....

اس کے بازو سے خون کی دھار نکلنے اور زمین پر گرنے لگی.....! اس مجنونانہ حرکت نے جہاز کے مسافروں کو اپنی جگہ پر سکت کر دیا تھا۔ کئی عورتوں اور بچوں کی خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں۔

”ہمیں اپنی جانوں کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔ ہم تو مرنے کے لئے ہی گھروں سے نکلے ہیں۔ ہمارا آپ لوگوں سے کوئی بیڑ نہیں۔ کوئی دشمنی نہیں۔ ساری جنگ بھارت کی برائمن سرکار سے ہے۔ آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں“۔

اس اثنا میں ان کا وہ ساتھی جس نے سب سے پہلے اپنی جگہ کھڑے کھڑے مسافروں کو جہاز

29 ستمبر 1981ء

انڈین ایئر لائن کا بونگ جہاز دہلی کے پالم پور ہوئی اڈے پر روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ 17 مسافر جہاز میں سوار ہو چکے تھے دونوں پائلٹوں سمیت 6 افراد پر مشتمل جہاز کے عملے کے لئے یو پی نیاروٹ ٹیمبر ہتھواہ لوگ گزشتہ کئی سالوں سے اس راستے پر سفر کرتے آرہے تھے۔

آج خلاف معمول فلائیٹ ان ٹائم تھی.....!!

یو پی نیاروٹ ٹیمبر نے اس بات کا ذکر بڑے تسخیر سے اس وقت اپنے معاون سے کیا جب انہیں اے ٹی سی (ایئر کنٹرول ٹاور) نے اڑنے کے لئے سگنل دے دیا۔

”حیرت ہے۔ آج ہم بروقت پرواز کر رہے ہیں“۔ اس نے اپنے ساتھی کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

”سرا کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔“۔ معاون نے ہنستے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”کاش ایسا حسین اتفاق اکثر ہوا کرتے“۔ کو بی نے جہاز کے مختلف ڈائلوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

اس نے باری باری تمام ٹین دبا کر اڈے کے رپورٹروں کی روانگی کا سگنل دے کر جہاز کو گھسیٹنے کا گیر لگا دیا۔

انڈین ایئر لائن کا بونگ 727 آہستہ آہستہ ریگٹے لگا۔

موسم خلاف توقع بے حد خوشگوار تھا اور سری نگر کے ٹاور نے راستہ کلیئر ہونے کی اطلاع دی تھی۔

راستے میں آنے والے مختلف موسمیاتی مراکز سے بڑی اچھی اچھی خبریں مل رہی تھیں۔

جہاز نے اب رفتار بڑھائی تھی۔ کو بی کو بونگ پر مکمل کمانڈ تھی اور آرام وہ محفوظ پرواز کے لئے وہ اپنے ساتھیوں میں بڑے احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ جلد ہی جہاز نے زمین سے بلند ہونا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کی بلند یوں کو چھونے لگا۔

”یار جیسی اچھی خبریں مل رہی ہیں۔ مجھے تو ڈر ہے کہیں جہاز کو نظری نہ لگ جائے“۔

لدھیانے پر سے گزرتے ہوئے جب راستے میں اچھے موسم کی اطلاع ملی تو کیپٹن کو بی نے

رہائی کے لئے مندرجہ ذیل شرائط پیش کی تھیں۔

- 1۔ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو 30 ستمبر 1981ء کی صبح 8 بجے تک غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے۔
- 2۔ چوک مہنہ میں مارے گئے سکھوں کے خاندانوں کو ایک لاکھ روپیہ فی خاندان کے حساب سے فوری طور پر حکومت ادا کرے۔
- 3۔ خالصتان کے مسئلے پر بھارتی حکومت پاکستانی صدر جنرل ضیاء الحق کے ذریعے دل خالصہ سے مذاکرات کرے۔ پاکستانی صدر دل خالصہ کے بات چیت کرنے والے وفد کی جان کی سلامتی کی ضمانت دیں۔

☆☆☆

لیکن.....!

اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک روز اس کے جہاز کو ہی یہ لوگ اغوا کر لیں گے۔ کوہلی نے چپ چاپ ان لوگوں کے احکامات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جہاز کا پکتان تھا اور اس میں موجود سینکڑوں بے گناہوں کی جان کی حفاظت کا ذمہ دار بھی! کوہلی نے چپ چاپ جہاز کا رخ لاہور کی طرف موڑ لیا تھا.....!!

29 ستمبر 1981ء کی شام کو جہاز کا رابطہ لاہور سے قائم ہو چکا تھا.....!! کوہلی نے لاہور کی فضا پر چکر لگانے شروع کر دیے تھے۔ اسے جہاز یہاں لینڈ کرنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی کیونکہ پاکستان سکھوں اور ہندو سرکار کی اس جنگ کا فریق بننے کے لئے تیار نہیں تھا.....

جہاز میں پٹرول آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا تھا اور دوسری طرف پائلٹ کو مسلسل چکر لگاتے رہنے کا حکم ملا تھا.....

اب جہاز ایک خنجر پرانہ رہا تھا۔ جب لاہور کنٹرول ٹاور کو یقین ہو گیا کہ جہاز کے مسافروں کی جان صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب اسے یہاں اترنے کی اجازت مل جائے، انہوں نے بادل خواستہ جہاز کو اترنے کی اجازت دے دی۔

30 ستمبر 1981ء کی صبح پاکستانی کمانڈوز نے جہاز پر حملہ کر کے ہائی جیکروں کو گرفتار کر لیا اور جہاز کے مسافروں کو رہائی نصیب ہوئی۔

یہ دنیا کی ”ہائی جیکنگ“ تاریخ کا سب سے زیادہ شریفانہ اغوا تھا جس میں ہائی جیکروں نے کسی مسافر کو گزند پہنچانے کے بجائے اپنے جسم سے خون بہا کر جہاز کو اغوا کیا تھا۔

☆☆☆

29 ستمبر 1981ء کی شام ہی کو اغوا کنندگان نے اپنی شرائط پاکستانی حکام کو جہاز کی رہائی کے لئے پیش کر دی تھیں۔

اسی روز شام گئے امر تر کے دربار صاحب کیلکس میں دل خالصہ کے کھنچ سردار ہر سرن سنگھ نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس بلائی اور اخبار نویسوں کے سامنے پہلے سے تیار شدہ بیان پڑھ کر سنا دیا۔

اس بیان کی رو سے ”دل خالصہ“ نے جہاز کے اغوا کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے جہاز کی

جواب: سکھ سنگت..... اور کوئی نہیں۔

سوال: خاص لوگ جو آپ کے ارد گرد جمع رہتے ہیں ان کے نام؟

جواب: سب خاص لوگ ہیں۔ کوئی عام آدمی نہیں۔

سوال: اچھا اپنے ”سیو اداروں“ کے نام بتا دیجئے؟

جواب: کوئی سیو ادارہ نہیں۔ ہم خود ”سیو ادارہ“ ہیں۔

سوال: آپ کے پاس کتنی گاڑیاں ہیں؟

جواب: تین تھیں جو پولیس نے جلادیں۔ ایک میرے پاس ہے۔

سوال: یہ گاڑیاں کہاں سے آئیں؟

جواب: سکھوں نے خرید کر دیں۔ مجھے ان کے نام نہیں معلوم۔

سوال: آپ کو یہ تو علم ہوگا کہ خریدنے کے لئے روپیہ کہاں سے آیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پردہ غیب سے مدد فرمائی اور اپنے خزانے سے دیا۔

سوال: آپ کے باڈی گارڈوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: میرا کوئی مستقل باڈی گارڈ نہیں۔

سوال: ان کے پاس کیا کیا اسلحہ ہے؟

جواب: میرے پاس ذاتی اسلحہ کوئی نہیں۔ کسی سکھ کے پاس ہوا درودہ آجائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

سوال: اسلحہ کب اور کہاں سے خریدا؟

جواب: میرے نام پر کوئی اسلحہ نہیں۔ پیر و کاروں نے اگر جماعت کے دفتر کا ایڈریس دے دیا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا۔

سوال: آپ کے خاندان کے لوگوں کے پاس اسلحہ اور لائسنس موجود ہیں؟

جواب: مجھے علم نہیں۔ یہ سوال آپ ان سے ہی کریں تو بہتر ہوگا۔

سوال: خاندان کے کتنے ممبر جتھے میں شامل ہیں؟

جواب: میرا کوئی رشتہ دار مستقل میرے ساتھ شامل نہیں۔

سوال: آپ کا مشن کیا ہے؟

جواب: میرا ذاتی مشن کوئی نہیں۔ میں تو گورو گوبند سنگھ کے مشن کا پرچار کر رہا ہوں جس کے مطابق سکھوں کو ”امرت پلانا“ گورو گوبند سنگھ کے لڑ لگانا تمام نشہ آور اشیاء حتیٰ کہ چائے تک سے منع

سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کی رہائی کے لئے جہاز کے انخواب کا واقعہ اور وہ بھی خالصتاً کی تحریک تنظیم کی طرف سے یہ واضح کرنے کے لئے کافی تھا کہ سنت جی کہاں کھڑے ہیں؟.....“

اگر وہ خالصتاً نواز نہ ہوتے تو 1981ء میں ان کے پیروکار جہاز انخواب کرنے کی اس کارروائی کی مذمت کر دیتے۔

لیکن.....!

انہوں نے ایسا نہ کر کے ثابت کر دیا کہ اصل میں ان کا نشانہ کیا ہے۔ بھارتی اٹلی جنس کا مندر بہ کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

مندر اندرا گاندھی کے زیرِ کمانڈ وجود میں آنے والی ”تھرڈ ایجنسی“ کے کارکن پنجاب میں خصوصاً حالات میں بگاڑ پیدا کر رہے تھے۔ ان کا مقصد تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو حالات اتنے خراب کر دیئے جائیں کہ سنت جرنیل سنگھ اپنے سوراؤں کے ساتھ دربار صاحب میں مورچہ بند ہو کر ہتھیار سنبھال لے اور بھارتی 7۔ سے ٹکرا جائے.....!

بھارتی حکومت پر دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا.....!

5 اکتوبر 1981ء کو حکومت ہند آخر فیروز پور میں سے سنت جی کو رہا کرنے پر مجبور ہو گئی لالہ جگت نرائن اور زنگاری گورو کے قتل کے الزام میں سنت جرنیل سنگھ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی ضمن میں ان کی تفتیش ہوتی رہی۔ دورانِ تفتیش سنت جی سے جو حالات کئے جاتے رہے وہ کچھ ایسی نوعیت کے تھے۔

سوال: بھنڈرانوالہ جتھے کی تعداد کتنی ہے؟ جو اس میں شامل ہو اس سے کیا کیا جاتا ہے؟

جواب: کتنی کا علم تو خدا کی ذات کو ہوگا مجھے نہیں۔ کوئی خاص شرط عائد نہیں کی جاتی۔ دوائے اس کے کہ شامل ہونے والے کو سکھ مذہب کا مکمل پیروکار بننا پڑتا ہے۔

سوال: بڑے بڑے پیروکار کون ہیں؟

جواب: ہمارے ہاں سب برابر ہیں کوئی بڑا چھوٹا نہیں۔

سوال: آپ کی جماعت کی مالی پوزیشن کیا ہے؟ بینک اکاؤنٹ وغیرہ؟

جواب: کسی بینک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں۔ جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہو ہم آپس میں چندہ جمع کر لیتے ہیں۔

سوال: آمدن کے ذرائع اس کے علاوہ کیا ہیں؟

کرتا میرا کام ہے۔

سوال: کیا پرچار کرتے ہیں؟

جواب: گور بانی (گورو کا کلام) پڑھنا اور پڑھانا۔ اس کی تشریح کر کے لوگوں کو سمجھانا اور رکھنا کرنی (یعنی عبادت کرنی گا بجا کر)

سوال: پرچار کرنے کے لئے پنجاب میں کہاں کہاں جاتے ہیں؟

جواب: جہاں لوگ بلا لیس چلا جاتا ہوں۔

سوال: خرچہ آنے جانے کا کون اٹھاتا ہے!

جواب: ان کو انہی نے دالے لوگ۔

سوال: اکالی دل سے کیا تعلق ہے؟

جواب: جو درگرتھ صاحب (سکھوں کی مقدس کتاب) ماننے والے کسی بھی فرد کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

سوال: دیگر سیاسی جماعتوں سے تعلقات کی نوعیت۔

جواب: مذہب سے ہی تعلق کی بنیاد بنتی ہے۔ کسی پارٹی کے حوالے سے تعلقات قائم نہیں ہوتے۔

سوال: ”نرنکاری“ فرقتے سے کیا اختلاف ہے!

جواب: وہ گورو گرنتھ صاحب کی توہین کرتے ہیں جس کا جوہن ان کی طرف سے شائع کردہ کتابوں ”یوگ پرش“ اور ”اوتار بانی“ میں موجود ہے۔

سوال: اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں ٹکراؤ کب سے شروع ہوا؟

جواب: جب سے نرنکاری فرقتے نے یہ گھٹاؤنا کام شروع کیا ہے۔ اس کا آغاز بہت پہلے ہو چکا ہے۔

سوال: کہاں کہاں کیا کیا واقعات اس سلسلے میں پیش آئے؟

جواب: میرے دور میں 1978ء کا واقعہ ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔

سوال: امرتسر والے حادثے کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ لوگ ہماری مقدس کتاب کی توہین کرتے ہیں جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

سوال: نرنکاریوں کے مقدمے سے بری ہونے کی وجوہات کیا سمجھتے ہیں؟ بدلہ لینے کے لئے کیا

پروگرام بنایا ہے؟

جواب: بری ہونے کی وجہ تو عدالت جانے۔ بدلہ لینے کا صحیح طریقہ یہی سوچا ہے کہ سکھ دھرم کا پرچار تیز کر دیا جائے۔

سوال: ان واقعات میں اخبارات کا کیا رول ہے؟

جواب: اخبار والے ہی بتائیں گے۔

سوال: آپ پر اخبارات میں جو الزامات لگائے جاتے ان کے جوابات آپ کس طرح دیتے تھے؟

جواب: میں صرف گورو کبھی زبان پڑھ سکتا ہوں اور کبھی کبھی کوئی پنجابی اخبار ہی پڑھا کرتا ہوں۔ میں نے کبھی لکھ کر الزامات کا جواب نہیں دیا۔ اگر کسی نے سوال کیا تو اسے جواب دے دیا کرتا ہوں۔

سوال: جو اخبارات آپ کے خلاف لکھتے تھے انہیں کس طرح منع کرتے ہیں؟

جواب: میں نے کبھی اس مسئلے کو اہمیت نہیں دی نہ ہی اسے ذاتی مسئلہ بنایا ہے مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ بعض اخبارات کے لوگ مجھ سے ناراض کیوں ہیں۔

سوال: آپ کے بیانات اخبارات میں کس طرح چھپتے ہیں؟

جواب: میری تقریروں کے اخبار نویس نوٹس لے کر شائع کر دیتے ہیں؟

سوال: آپ کی طرف سے اخبارات کو بیان کون جاری کرتا ہے؟ یعنی آپ کا پریس سیکرٹری کون ہے؟

جواب: ہر پڑھا لکھا حلقہ میرا پریس سیکرٹری ہے۔

سوال: پنجاب حکومت نے جب اسلحہ پر پابندی لگائی تو آپ نے کتنے ناجائز ہتھیار داخل کروائے تھے؟

جواب: میرے پاس اسلحہ ہی نہیں۔ داخل کیا کروانا۔

سوال: اس وقت؟ آپ کے کتنے ساتھیوں پر مقدمات چل رہے ہیں!

جواب: مجھے علم نہیں۔ کبھی حساب کتاب نہیں رکھا۔

سوال: کس کس ممبر کے پاس کون کون سا اسلحہ ہے؟ گولیاں کتنی ہیں؟ جتنے کے نام پر کون کون سا

اسلحہ ہے؟

جواب: مجھے علم نہیں۔

سوال: اسلحہ خریدنے کے لئے رقم کہاں سے آئی؟

جواب: وہ میرے پاس نہیں ہیں۔

سوال: آپ کے گاؤں کے کتنے لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ پرساتنگھ (مفرد) کہاں ہے؟
جواب: دونوں باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے تعداد کا علم نہیں نہ ہی پرساتنگھ کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔

سوال: پختہ سنگھ آپ کے ساتھ کب شامل ہوا؟

جواب: وہ کون ہے؟

سوال: سورن سنگھ مستقل آپ کے ساتھ رہتا ہے؟

جواب: اس کی خوشی..... باقی لوگوں کے ساتھ آ جاتا ہے۔

سوال: گزشتہ چار ماہ کی سرگرمیاں کیا ہیں؟

جواب: مجھے یاد نہیں جہاں سکھوں نے بلایا ہم چلے گئے۔

سوال: آپ جہاں جہاں گئے کن کن لوگوں نے آپ کی خدمت کی؟

جواب: تمام سکھوں نے۔ کوئی خاص نام یاد نہیں ہے۔

سوال: آپ کے ساتھی کون تھے؟

جواب: سب کے نام یاد نہیں (ست جی نے کچھ نام بتا دیئے)

سوال: گاڑیاں اور اسلحہ کون سا تھا؟

جواب: دو بسیں، ایک ٹرک، اسلحے کے متعلق اسلحے والے ہی بتا سکتے ہیں۔ میرے پاس تو مذہبی کتابیں ہی ہوتی ہیں۔

سوال: لالہ جگت نرائن کے قتل کی خبر کب ملی؟

جواب: تاریخ یاد نہیں۔ لوگوں نے بتایا تھا۔

سوال: قاتل کس خوشی میں کی؟

جواب: میں نے نہیں کی۔

سوال: سورن اور دلہیر سنگھ (لالہ جگت نرائن کے قاتل) کب آپ سے ملے؟

جواب: مجھے نہیں ملے۔

سوال: کیا کیا باتیں ہوئیں؟

جواب: جب ملے ہی نہیں تو باتیں کیا ہوں گی۔

سوال: آپ اگلی رات فرار ہو کر پنجاب کیوں چلے گئے؟

جواب: میرے پاس اسلحہ ہی نہیں۔ رقم کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

سوال: آپ کا بھائی جاگیر سنگھ اور اس کا بیٹا سورن سنگھ کہاں چھپے ہیں؟ جاگیر سنگھ کی کار بائٹ کہاں ہے؟

جواب: مجھے کسی بات کا علم نہیں۔

سوال: نرنکاری سمیلن پر آپ کے کن ساتھیوں کے ورائٹ جاری ہوئے؟

جواب: اس کا زیادہ بہتر علم تو آپ کو یا ورائٹ جاری کرنے والوں کو ہوگا۔

سوال: آپ انہیں عدالت میں پیش کیوں نہیں کرتے؟

جواب: میرے پاس ہوں گے تو میں پیش کروں گا۔

سوال: آپ کے نزدیک ان مفروضوں کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: میری رائے محفوظ ہے۔

سوال: 2 اگست 1981ء کو آپ نے حکومت کو لاکر کہا ایک مفرد ”گورکھ سنگھ“ میرے پاس بیٹھا ہے حکومت اسے گرفتار کرنے دھمائے۔

جواب: یہ جھوٹ ہے۔

سوال: آپ نے سکھ دہشت گردوں، ماؤں اذر بہنوں، کو ”سرو پے“ (اعزاز) دیئے۔ اس کی وجہ؟

جواب: میرے نزدیک وہ دہشت گرد نہیں سکھوں کی آن بان ہیں۔

سوال: آپ نے یہ بھی کہا کہ وقت آنے پر ایسے دہشت گردوں نے چاندی سے تو لیس گئے یہ ان کی کس خدمت کا انعام تھا؟

جواب: مجھے علم ہوا کہ رنجیت سنگھ نامی مفرد نو جوان کو صرف سکھ ہونے کی وجہ سے پولیس نے ظلم کا نشانہ بنایا اور اخبار نویسوں نے مجھے کہا کہ پولیس کو شک ہے وہ میرے پاس چھپا ہے جس پر

میں نے کہا کہ اگر وہ میرے پاس آیا تو میں اسے سونے چاندی سے تولوں گا۔

سوال: نرنکاری بابا گوربجن سنگھ کو کس نے قتل کیا؟

جواب: میں کیا جانوں؟

سوال: آپ کے ساتھیوں کا نام کیوں آیا؟

جواب: 1978ء کے سانحے کی وجہ سے۔

سوال: اگر آپ سچے ہیں تو انہیں پیش کیوں نہیں کرتے؟

ان سوالات اور جوابات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سنت جی کا رویہ بھارتی حکومت کے ساتھ کیسا تھا؟

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ وہ مفرور سکھوں کو نہ صرف پناہ دیتے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کر رہے تھے۔

سنت جرنیل سنگھ کی رہائی کے ساتھ ہی خالصتان تحریک نے زور پکڑا اور بھائی فوجا سنگھ کے بعد اکھنڈ کیرتی جتھے کے زیر زمین حریت پسند جنہیں بیر خالصہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ تب سامنے آئے جب 16 نومبر 1981ء کو نرنکاری پرکھ پہلا وچند کو تین انجان حملہ آوروں نے گولیاں مار کر ہلاک اور اس کے بیٹے کو سخت زخمی کر دیا جو بعد میں زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

حملہ آوروں فرار ہو گئے لیکن اپنا موٹر سائیکل موقع پر چھوڑ گئے۔ جالندھر پولیس نے بعد میں اس سلسلے میں تلوندر سنگھ پر مار (کینیڈا) ترسیم سنگھ (برطانیہ) وداھوا سنگھ (بیر خالصہ) کا موجودہ جتھے دار (کو مفرور قرار دے دیا اور بھنڈرانوالہ کو ان کا لیڈر بتانے کی کوشش کی حالانکہ ان کا تعلق سنت جی کی جماعت سے کبھی نہیں رہا تھا۔

تلوندر سنگھ پر مار پنجاب سے فرار ہو کر کینیڈا کیسے پہنچا؟ اس کا شمار پراپرٹی کا بزنس کرنے والے بڑے پراپرٹی ڈیلرز میں کیسے ہونے لگا؟ یہ طویل کہانی ہے۔ تلوندر سنگھ پر مار بلاشبہ ایک عرصہ تک وہشت کی علامت بنا رہا۔ کیتھے پیٹک ایئر لائن کی پرواز جو آئر لینڈ کی فضا میں تباہ ہوئی کا ذمہ دار گردانا گیا لیکن عدم ثبوت پر محفوظ رہا۔

تلوندر سنگھ پر مار ایک امرت دھاری سکھ تھا۔ آخری دور میں اس کی جتھہ بندی بیر خالصہ سے اختلافات لیڈر شپ کے مسئلے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ اپنے مشن میں "خالصہ" تھا۔ بالا آخرا ایک روز وہ آرام آسائش کی زندگی تیاگ کر کینیڈا سے نکل گیا اور بھارتی پنجاب میں خالصتان کی آزادی کی جنگ کا حصہ بنا۔

تلوندر سنگھ پر مار کو بھارتی پولیس نے جالندھر میں گرفتار کیا اور "فرار" کا ڈرامہ رچا کر مار ڈالا۔ بلاشبہ وہ ایک بہادر گور سکھ تھا۔

☆☆☆

جواب: فرار کیسا؟ میں اپنے گورو استھان پر امرتسر آ گیا تھا۔

سوال: ورائٹ کی خبر کب ملی؟

جواب: 16 ستمبر 1981ء کو جب وارنٹ دکھائے گئے تب علم ہوا۔

سوال: امرتسر کیوں گئے؟

جواب: اعلان کرنے گیا تھا۔

سوال: کن راستوں سے فرار ہو کر امرتسر پہنچے؟

جواب: "حسن راہ" اس سے میرا گورو مجھے لے کر گیا۔

سوال: نرنکاری، پیش کرنے میں دیر کیوں لگائی؟

جواب: کچھ انتظامات کر رہے تھے۔

سوال: کس کس لیڈر نے کیا کیا صلاح مشورہ ہوا؟

جواب: ذاتی معاملہ ہے، بتانا نہیں سکتا۔

سوال: اس وقت گورو دارے میں کون کون تھے؟

جواب: کوئی مفرور نہیں۔ اگر ہے تو آپ پکڑ لیں۔

سوال: ان کے پاس اسلحہ کون کون سا ہے؟

جواب: جب وہ ہی نہیں تو اسلحہ کیسا؟

سوال: اسلحے کی کتنی کس طرح کرتے ہیں؟

جواب: کوئی خاص طریقہ نہیں۔ جس کا اسلحہ ہوا اپنے پاس رکھتا ہے۔

سوال: اسلحہ کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟

جواب: اپنا تو ہے نہیں، تقسیم کیا کریں گے!

سوال: آپ کی غیر حاضری میں اسلحہ کا انچارج کون ہوتا ہے؟

جواب: کوئی نہیں۔

سوال: لالہ جی کا قتل آپ کے حکم سے آپ کے پیروکاروں نے کیا ہے؟

جواب: میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال: نرنکاری گورو کا قتل بھی آپ کے حکم سے آپ کے پیروکاروں نے کیا۔

جواب: غلط ہے۔ میں اس الزام کو تسلیم نہیں کرتا۔

☆☆☆

کیپٹن شرمانے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس اطلاع کے پھیلنے سے پہلے ہی کارروائی کر گزرے گا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایم ایل اے خبردار ہو جائے اور اس کے کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔
شرما کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ مقامی پولیس اور سول انٹیلیجنس ایجنسیاں بھی اس شخص کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔
جس روز اسے علم ہوا کہ ”را“ کے آفسر نے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تو اس کا خون کھول اٹھا۔

آخر وہ بھارت مانا کا جیالا سپوٹ تھا.....
وہ بھارتی آرمی کا ایک جانباز اور ذمہ دار آفسر تھا اور اس کا فرض تھا کہ ملک کے خلاف ہونے والے کسی بھی سازش کے خلاف ڈٹ جائے اور اپنی جان پر کھیل کر بھی اپنے فرائض پورے کرے.....!

ابھی تک شرمانے اس علاقے میں پہلے سے رو بہ عمل سرگرمیوں کے طرز عمل کا جائزہ لیا تھا۔
یہ تو اس کے لئے کسی اچھے کی بات نہیں تھی کہ سول ایجنسیوں کے لوگ ایم ایل اے پر ہاتھ نہیں ڈال رہے۔

لیکن.....
”را“ بھی خاموش ہے۔
اس اطلاع نے اسے پریشان کر دیا تھا۔
پہلے تو کیپٹن شرمانے ہی گمان کیا کہ عین ممکن ہے یہ شخص کانگریس میں اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے سول ایجنسیوں کو مفلوج کر سکتا ہو۔
لیکن.....!

”را“ تو لامحدود اختیارات کی مالک تھی۔
ملک میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی جگہ پولیس اور دیگر سول انٹیلیجنس ایجنسیوں کی ناکامی یا دباؤ کے تحت کوئی کارروائی نہ کرنے کے سبب ”را“ نے بڑے کامیاب آپریشن کئے تھے.....!

☆☆☆

اس روز جب شرما کے خصوصی ”ذریعے“ نے بتایا کہ پرسوں شام ڈھلنے کے بعد پاکستان

کیپٹن شرما چکر اکر رہ گیا.....!
بات ہی ایسی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے ”شکار“ قابو کیا تھا اور جب وہ ”شکار“ پر ہاتھ ڈالنے جا رہا تھا عین ان لمحات میں اس کے او۔سی نے اسے منع کر دیا کیپٹن شرما کا تعلق ملٹری انٹیلیجنس کے ایڈوائس یونٹ سے تھا جو راجستھان کے اس حساس محاذ سرگرم عمل تھا.....
وہ سرحدی ضلع ہا جہاں چپے چپے پر سمگلر موجود تھے۔ صحرائی علاقہ ہونے کی وجہ سے اس علاقے کو سمگلروں کی جنت ہی کہا جاتا ہے.....!

شام ڈھلنے ہی آری سرحد کی منڈی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔
بلیو سٹار (بارڈر سیوری) کے لئے سمگلروں کو روکنا کسی بھی طرح ممکن نہیں رہا تھا۔
اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھا کہ جغرافیائی محل وقوع تھا.....!
صحرائی علاقہ ہونے کے سبب یہاں سرحدی پولیس ایک دوسرے سے دوری پر واقع تھیں رات کو یا دن کے کسی حصے میں شدید گرمی کے سبب پیدل پٹرنگ ممکن نہیں تھی اور ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر سرحدی پولیس ہونے کے سبب انہیں اونٹوں پر کرنا پڑتا تھا.....!
یہ لوگ جب صحرائیں دور سے مار چیں جلا کر ملاپ کرتے تو کافی فاصلے موجود سمگلر ضرور خبردار ہو جایا کرتے تھے یہ الگ بات کہ پٹرولنگ پارٹیوں کو ایک دوسرے سے نہیں ہوتی تھی۔
ملٹری انٹیلیجنس کا یہ ایڈوائس یونٹ جو کیپٹن شرما کی کمانڈ میں اس سیکٹر میں کام کر رہا تھا اس کے لئے تشویش ناک اطلاع یہ تھی کہ اس سرحد سے دیگر اشیاء کے علاوہ اسلحے کی سمگلنگ عام ہے۔
جس روز کیپٹن شرما کے ”خصوصی ذرائع“ نے اسے مطلع کیا کہ اسلحے کی سمگلنگ مقامی ایم ایل اے کو وار ہا ہے تو چونک پڑا۔

کیپٹن شرما کے لئے تشویش ناک بات یہ تھی کہ سول انٹیلیجنس ایجنسیاں جب یہ جانتی ہیں کہ ایم ایل اے اسلحے کی سمگلنگ میں ملوث ہے تو وہ اسے گرفتار کیوں نہیں کرتے؟ پھر خود ہی اس نے سوچا ممکن ہے اس کی وجہ گریشن یا پھر ”سیاسی دباؤ“ رہا ہو کیونکہ اس ملک میں بیشتر قباحتوں کی سرپرستی یہی لوگ کرتے ہیں۔

یہی سوچتے ہوئے اس نے بریگیڈئیر کمار سے رابطہ کیا تھا۔
جس نے اس آپریشن کو ملتوی کرنے کے احکامات جاری کرتے ہوئے اسے فوراً اپنے پاس
حاضر ہونے کی ہدایت کی تھی۔

حیران پریشان کرمل ملہوترہ نے ابھی تک کیپٹن شرما کے احکامات منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں
دی تھی۔

اسے ابھی تک اس بات کا یقین ہی نہیں آیا تھا کہ بریگیڈئیر کمار نے جو کچھ کہا ہے وہ اس نے
صحیح سنا ہے یا اس کی سماعت میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے۔

دو گھنٹے کے بعد وہ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں اپنی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ بریگیڈئیر کمار شاید اس
کا منتظر تھا۔

اس نے فوراً ہی کرمل ملہوترہ کو طلب کر لیا تھا۔

☆☆☆

سر! میں نے ابھی تک آپ کے احکامات پر یقین نہیں کیا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ ایسا شاید میری
زندگی میں پہلی مرتبہ ہو رہا ہے۔

کرمل ملہوترہ نے سلیوٹ مار کر اپنی کرسی سنبھالتے ہی کہنا شروع کیا۔

واقعی ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا.....!

یہ بات بھی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ سہ گانگ کا یہ سارا ڈرامہ بھارتی حکومت کی ایک انتہائی خفیہ اور مضبوط ترین
ایجنسی ”تھرڈ ایجنسی“ کا تیار کردہ ہے۔

تھرڈ ایجنسی بھارتی وزیراعظم سزاندرا گاندھی کی کمان میں قائم کی گئی تھی۔

یہ بھارت کی تاریخ کا سب سے بڑا اور اہم خفیہ منصوبہ تھا جو بھارتی وزیراعظم سزاندرا گاندھی
اور اس کے خصوصی مشیر آراین کاؤ کے عیارانہ ذہن نے ترتیب دیا تھا۔

اس منصوبہ کی رو سے ایک ایسی خفیہ اٹیلی جنس ایجنسی کا قیام ضروری سمجھا جا رہا تھا جو ملک میں
مذہبی اور لسانی بنیادوں پر ایسی فضا قائم کر دے جس کا فائدہ اٹھا کر سزاندرا گاندھی ”ہندو دھڑ“ کو

کانگریس کے حق میں استعمال کر سکے.....!

اپوزیشن جماعتوں کے مشترکہ محاذ کی سرگرمیاں اور عوام میں تیزی سے مہنگائی اور کرپشن کے
خلاف پھیلی نفرت اور بے چینی سے کانگریس نے اس بات کا اندازہ تو کر لیا تھا کہ اب الیکشن میں

علاقے کی طرف ”مال“ آ رہا ہے اور بھارتی پوسٹ کے ساتھ مل کر اسلحہ کی کھپ یہاں پہنچائی جائے
گی تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا.....!

جی ایس ایف بھی اس سازش میں شامل تھا۔

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ انیم ایل اے کتنا خطرناک دھندہ کر رہا ہے۔

جو اسلحہ بھارتی سرحدوں کے اندر آئے گا آخر کسی نیک مقصد میں تو استعمال نہیں ہوگا۔

بات کچھ بھی تھی شرمانے یہ اندازہ ضرور کر لیا تھا کہ اس کے لئے بھی براہ راست ہاتھ ڈالنا ممکن
نہیں ہوگا۔

کم از کم اسے اپنے اعلیٰ افسران کو اعتماد میں لینا پڑے گا۔ اس کے بغیر بات فنی نظر نہیں آرہی
تھی۔

”کپٹن لینے کے ذمے نہ پڑ جائیں“

یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے ”اوی“ سے رابطہ کر کے خصوصی ملاقات کے لئے فوراً وقت لیا
تھا اب وہ کمپنی ہیڈ کوارٹر میں اوی کے ساتھ میٹنگ کر کے واپس آ رہا تھا۔ کرمل ملہوترہ نے جو اسی کا
آفسران کمانڈر تھا کیپٹن شرما کو حکم باہر کہ وہ کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لائے اور اپنی تمام صلاحیتیں
بروئے کار لا کر جیسے بھی ممکن ہو اس تعداد پر ایم ایل اے کے اپنے تلخے میں جکڑ لے.....!

اس نے تو کیپٹن شرما سے ”آف دی ریکارڈ“ بھی کہہ دیا تھا کہ ایم ایل اے بھی نزدیک
موجود ہو تو ”کاؤنٹر فٹنگ“ کی آڑ میں وہ اسے بھی ٹھکا۔ گادے۔

”ایسے گھٹیا اور وطن فروش لوگوں کا مرجانا ہی دھرتی ماتا کے لئے اس سے بہتر خبر کیا
ہوگی؟.....!

اس نے نوجوان اور جو شیلے کیپٹن شرما کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے واپس لوٹا دیا
تھا۔

کیپٹن شرما کے واپس جانے کے بعد کرمل ملہوترہ کو ایک لمحے کے لئے یہ خیال آیا کہ اتنا اہم
آپریشن کرتے ہوئے جس طرح اس کے ماتحت نے مقتل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اعتماد
میں لیا ہے کیوں نہ وہ بھی اپنی اعلیٰ کمانڈ کو اس سے مطلع کر دے۔

اس طرح کم از کم کوئی مصیبت کھڑی ہونے کی صورت میں وہ اکیلا ذمہ دار تو نہیں ہوگا۔

یوں بھی وہ لوگ ایسے اہم فیصلے ایک دوسرے کی مشاورت سے بھی کیا کرتے تھے ممکن ہے اس
کے سینئر اسے زیادہ بہتر مشورہ دے سکیں۔

کامیابی شاید ان کے لئے ممکن نہ رہے.....! کیونکہ کانگریس کی صوبائی وزارتیں ٹوٹ رہی تھیں اور کئی ممبران صرف ایکشن کے اعلان کے منتظر تھے تاکہ وہ دوسری پارٹیوں کے ٹکٹ حاصل کر کے ایکشن میں حصہ لے سکیں۔

کانگریس کے پاس کوئی ایسا ”ایٹو“ بھی نہیں رہ گیا تھا جس کی بنیاد پر وہ لوگوں کی سوچ میں کوئی جذباتی یا انقلابی تبدیلی پیدا کر سکے.....!

اب لے دے کے ایک ہی صورت باقی تھی کہ ملک کی مجموعی فضا ایسی مسموم کر دی جائے کہ ہندو اکثریت کو باور کروایا جائے کہ ملک کی بقا کے لئے کانگریس کی حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ سنت جرنیل سنگھ چونکہ مسز اندرا گاندھی کے مخالف تھے اور اپوزیشن پارٹیاں بھی ان کی حمایت کرتی تھیں۔

اپوزیشن کا موقف یہ تھا کہ اندرا گاندھی کی جا بڑ پالیسی نے سکھوں کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا ہے اور اب بھی مسز اندرا گاندھی سکھوں کو مسلسل انکیت کر رہی تھی۔

مسز اندرا گاندھی کو اپنا اقتدار زیادہ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ راجستھان کی سرحد سے اسلحہ کی طرح سگمل ہو کر آ رہا تھا کہ جیسے کبھی گندم کی بوریاں آیا کرتی ہیں۔

سکھوں کا مقدس اور متبرک مقام ”دربار صاحب“ ”دہشت گردوں“ کی پناہ گاہ بننے لگا.....!

یہ لوگ کون تھے.....!

کہاں سے آئے تھے.....!

ان کی پشت پناہی کون کر رہا تھا؟

کون تھا جس کے ہاتھوں میں یہ کٹھ پتلیوں کی طرح ناچ رہے تھے۔

ممکن ہے تب ان سوالات کے جوابات کسی کو ذہل سکتے ہوں۔

لیکن.....!

واقعات اور حالات نے بعد میں ثابت کر دیا کہ اس گھناؤ نے کھیل کو خود بھارتی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔

حکومت پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے اسلحہ خود حکومتی نگرانی میں دربار صاحب میں پہنچایا جاتا رہا۔ دوسری طرف سنت جرنیل سنگھ چند راوالہ کے ہاتھوں میں حکومت نے اپنے تربیت یافتہ

دہشت گرد داخل کر دیئے جو سنت جی کے نام پر لوٹ مار کے کاروائیاں کرنے لگے۔

ان کاروائیوں کا مقصد صرف یہی تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو پنجاب کے عوام میں بھینڈرا نوالہ کے خلاف نفرت پیدا کی جائے۔

اس مقصد میں حکومت کو کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

لیکن.....!

متوقع نتائج کبھی نہ حاصل ہو سکے اور کئی جگہ تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اب حالات ایسے ہو گئے تھے کہ بالا آخر بھینڈرا نوالہ کو اپنے مٹھی بھر حریت پسند ساتھیوں کے ساتھ بھارتی فوج کے تربیت یافتہ جرنیل شو بیک سنگھ کی کمان میں جس نے کبھی ”مکتی باہنی“ کو تربیت دے کر پاکستان کو دہشت گرد لایا تھا، مورچہ بند ہونا پڑا۔

بھارتی فوج کا سرماہ افتخار جرنیل شو بیک سنگھ آج اپنی قوم کی آزادی کے لئے مورچہ بند ہو چکا تھا.....!

تاریخ اپنے آپ کو دہرائی تھی۔

تاریخ اس طرح اپنے آپ کو دہرائی کرتی ہے۔

☆☆☆

پہلے ہی بڑی خاموشی سے پنجاب میں کسی بھی ممکن صورتحال سے نمٹنے کے لئے ڈیپلائے کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سی آر پی ایف اور بی ایس ایف کے تازہ دم دستے بھارت کے کونے سے پنجاب پہنچا کر آرمی کی سنٹرل کمانڈ قائم کر کے اسی کی کمان میں دے دیئے گئے تھے۔

3 جون 1984 کی اس اہم میٹنگ سے متعلق جس خصوصی اطلاع نے بعد میں ساری دنیا کو چونکا کر رکھ دیا وہ اس میں بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی یہ نفس نفیس شمولیت تھی جو اس میٹنگ میں واحد ایسی شخصیت تھی جنہیں حتمی فیصلہ دینے کا اختیار حاصل تھا۔ تینوں صرف اپنی رائے پیش کر رہے تھے فیصلہ بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے کرنا تھا جس پر انہیں بہر حال عمل کرنا تھا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑتی۔

اس سے پہلے ”تھرڈ ایجنسی“ ”را“ ”سی بی آئی“ ”آئی بی“ اور بھارتی فوجوں کی ایڈوانس اٹیلی جنس یونٹوں کی طرف سے جو رپورٹیں اور صورتحال موصول ہوئی تھی۔ اسے ایک اور بڑے پیمانے پر ترتیب پانے والی کمیٹی جس کی سربراہی مسز اندرا گاندھی کا چیتا ”را“ کا سابق اور ”تھرڈ ایجنسی“ کا آف دی ریکارڈ ڈائریکٹر آراین کاؤ کر رہا تھا نے ایک خصوصی پلان تیار کر کے اپنی وزیر اعظم کو پیش کیا تھا۔

اس پلان میں ایسے طریق کار کی وضاحت کی گئی تھی جن پر عمل کرنے کے بعد بھارتی حکومت ہمیشہ کے لئے سکھوں کے خطرے سے بے نیاز ہو جاتی۔

جن دواہم نکات کو زیر بحث لایا گیا تھا ان میں ایک نکتہ سکھوں کی مکمل تباہی جس میں بلا در بخ قتل عام شامل تھا اور دوسرا اہم نکتہ زیر بحث لایا گیا تھا کہ کم از کم بھارت کی سطح پر ہر قابل ذکر سکھ کو ضرور قتل کر دیا جائے خصوصاً سکھوں کی ”ملی ٹیٹ“ لیڈر شپ کا اس طرح خاموشی سے قتل عام کیا جائے کہ پھر کسی کو مستقبل میں کبھی حکومت کے خلاف سر اٹھانے کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔

اس پلان میں متعدد مقامات پر اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ سکھ جرائم پیشہ اور لڑنے والی قوم ہے اور جب تک اس کی ”ماسٹنگ پیرٹ“ پر پھر پور ضرب نہیں لگے گی تب تک یہ سیدھے نہیں ہوں گے۔

یہی ”گرینڈ پلان“ بعد میں ”اپریشن بلیو سٹار“ کے نام سے لانچ کیا گیا اور جس پر بھارتی وزیر اعظم کے خصوصی احکامات کے بعد 3 جون 1984 کو عمل کا آغاز کر دیا گیا۔

3 جون کا دن سکھوں کے خصوصی مذہبی تہوار کو مد نظر رکھ کر چنا گیا تھا اندازہ لگایا گیا کہ اس روز سکھوں کے اس متبرک ترین مقام میں بھارت کے کونے کونے سے ہر قابل ذکر سکھ خصوصاً سکھوں

27 مئی 1984ء

جی ایچ کیو دہلی میں ایک انتہائی خفیہ میٹنگ ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ ایوں تو گزشتہ دو مہینے سے ایسی برائے اور اعلیٰ پیمانے کی میٹنگز کا سلسلہ جاری تھا۔

لیکن 27 مئی 1984ء کی لے خاص دن تھا کہ آج میٹنگ کے تین اہم شرکاء لیفٹیننٹ جنرل ایس پال، لیفٹیننٹ جنرل ٹی۔ ایس۔ او برائے اور لیفٹیننٹ جنرل کے سندرجی کو بالاخر ”اپریشن بلیو سٹار“ کے لئے ”Go“ کا سگنل مل گیا تھا۔

رات کے آخری سریمین جرنیل بظاہر مطمئن ہو کر اپنی سیٹوں سے اٹھے تھے۔ لیکن ان کے دل و دماغ میں خدشات اور جوار اٹا اٹھ رہا تھا اس کا اندازہ وہی لگا سکتے تھے۔

اپریشن بلیو سٹار سے متعلق جو سب سے پہلے پائی تھی اسی کے مطابق بھارتی پیدل فوج کی ایسی تمام بٹالین، کمپنیاں اور یونٹس جن میں سکھ شامل تھے انہیں پنجاب سے زیادہ سے زیادہ دور لے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

اس فیصلے پر خفیہ عمل درآمد 27 مئی کو شروع ہو گیا۔۔۔۔۔ اور تمام سکھ بٹالین سنٹرل ساؤتھ اور نارٹھ کی سرحدوں پر پہنچادی گئی تھیں۔

27 مئی کو ایک خصوصی حکم کے تحت جو آرمی ہیڈ کوارٹر سے جاری ہوا تمام آٹلی، ہفتنری اور آرمر فارمیشن کو جو فٹ کور اور 10 کور کے ماتحت پنجاب اور ملحقہ صوبوں میں تعینات تھے اپنی جگہ سے الگ الگ سبٹوں میں بھیج دیا گیا۔۔۔۔۔!

یہ نقل و حمل اتنی اچانک اور تیز تھی کہ بعض آرمی آفیسرز کے نزدیک ان کی زندگی میں بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

حالت جنگ کا سا سماں پیدا کر دیا گیا تھا۔

پنجاب سے حیدر آباد بانیہ، جھانسی، کوئٹہ اور دیگر علاقوں کی طرف جانے والی سڑکوں اور یلوے ٹریسوں میں سکھ فوجی دکھائی دے رہے تھے۔

8 مئی 1984ء کو فٹ، سیکنڈ، دسویں اور گیارھویں کور کے بعض ہندو سپاہیوں پر مشتمل یونٹس کو

بند سکھ حریت پسندوں اور ہزاروں بے گناہ سکھ یا تریوں کی ہلاکت کے لئے خاموشی نے امرتسر پہنچا دیئے گئے۔

بھارتی نیوی کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں گیس ماسک اور آکسیجن گیس کے سلنڈر زائن فوجی جوانوں کے لئے خصوصی درخواست پر حاصل کئے گئے جنہوں نے زہریلی گیس پھینکنے کے بعد سکھ حریت پسندوں پر "چارج" کرنا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ان گیس ماسک کی مطلوبہ تعداد حاصل کرنے کے لئے نیوی کے بہتی میں موجود جہازوں کا سارا ذخیرہ پنجاب منتقل کر دیا گیا تھا۔

نیوی کے غوطہ خور کمانڈوز کے خصوصی دستے دربار صاحب کے نزدیک پہنچا دیئے گئے انہوں نے دربار صاحب امرتسر میں موجود "سرور" (تالاب) کے ذریعے حریت پسندوں تک پہنچنا تھا۔

☆☆☆

اس سے پہلے 2 جون 1984ء کی صبح کی آپریشن "وڈروز" (Woodrose) کا آغاز ہو گیا تھا۔

اس آپریشن کی رو سے پنجاب، راجستھان اور کشمیر سے ملحقہ پاکستانی سرحد پر تازہ دم بھارتی فوج کے دستے تعینات کر دیئے گئے تھے۔

فوج نے اس طرح سرحد کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کہ پاکستانی سرحد سے کوئی بھی گھس پیٹھ ناممکن ہو گئی تھی۔

انتظامات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سرحد پر موجود بی ایس ایف کی سرحدی چوکیاں بھی فوجوں سے بھر گئی تھیں اور بی ایس ایف کی کمان کئی دنوں تک فوج کے ہاتھ میں رہی۔

جہاں سرحدوں پر اس طرح فوجوں کا جال بچھا دیا گیا تھا وہاں سرحدوں کی طرف آنے والے تمام راستوں پر راتوں رات بارودی سرنگیں پھیلا دی گئی تھیں!

یہ بارودی سرنگیں لمبے عرصے تک دیہاتیوں کے لئے مسائل پیدا کرتی رہیں اور آپریشن مکمل ہونے کے بعد تک بھی کئی بھارتی سرحدوں کے مکین اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، کئی معذور ہو گئے۔ آئے روز کسی نہ کسی جانور کی کسی سرنگ کے پھٹ جانے سے ہلاکت کے واقعات بھی سامنے آتے رہے۔

سرحدوں پر مکمل کنٹرول کرنے کے بعد بی ایس ایف، آر پی ایف اور فوج کے دستوں نے پنجاب سے ملنے والے صوبوں مقبوضہ جموں کشمیر، ہماچل پردیش، ہریانہ اور راجستھان کو اس طرح

کا "ملٹی ٹارگٹ" جو پنجاب اور ملک کے دوسرے حصوں میں روپوش ہو چکا ہے۔ وہ بھی اس روز یہاں موجود ہوگا۔ اور یہی دن سکھوں کے قتل عام کے لئے مناسب ترین خیال کیا گیا!

"چکراتا" (بھارتی کمانڈوز کا ڈریٹنگ سنٹر) سے قتل کرنے کے ماہر کمانڈوز کے خصوصی یونٹس امرتسر پہنچا دیئے گئے۔ ان کمانڈوز نے رومی "سٹینر" کے ساتھ تربیت حاصل کی تھی جو خونخواری اور درندگی میں بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

امرتسر کے نزدیک "جنڈیالہ" میں بھارتی "ایز بورن ٹروپس" کا مرکز قائم کر دیا گیا اور یہی کارروائی کے ذریعے انہیں ملک کے کونے کونے سے اکٹھے کر کے یہاں جمع کر دیا گیا۔

اسز فورس کو "سینڈ ٹو" کا سنگٹل جاری کر کے حالت جنگ میں کر دیا گیا۔ پنجاب میں متعین سیکٹرل ماسک فورس کو فوج کے یہی کاپٹن کسی بھی ہنگامی ضرورت کے لئے فراہم کر دیئے گئے۔

آرمی ایوی ایشن، وبراہ راست امرتسر میں موجود فورس کمانڈر کی کمان میں دے دیا گیا ہے وہ جب بھی چاہے اپنی مرضی کے مطابق استعمال میں لاسکتا تھا۔

ان یہی کاپٹنوں کا بعد میں خصوصی استعمال اسی طرح کیا گیا کہ دوران آپریشن یہ تمام یہی کاپٹن پنجاب کے شہروں اور دیہاتوں پر مسلط رہے۔ مسوایاں سے عوامی نقل و حرکت کرتے رہے۔

ان مسلح یہی کاپٹنوں کا اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ کسی مسلح سکھ کردہ کو امرتسر کی طرف بڑھتے دیکھیں تو بغیر وارننگ کے ان پر فائرنگ کر کے انہیں ختم کر ڈالیں۔

مسلح یہی کاپٹنوں کی امرتسر سے ملحقہ شہروں اور دیہاتوں پر مسلسل کارروائی نے عوام میں دہشت کی فضا قائم کر دی تھی اور لوگوں کی اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر کسی نے امرتسر کی طرف جانے کی کوشش کی تو انہیں راستے میں مار دیا جائے گا۔

4 جون کی صبح سیکٹر کمانڈر جنرل آر ایس دیال کے حکم پر بھارتی فضائیہ کے روسی ساخت کے مگ طیاروں نے بھی اسی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی دیہاتوں اور شہروں کے تمام راستوں پر مورچہ بند بھارتی فوج کی طرف سے لاؤڈ سپیکروں پر مسلسل اعلان کیا جا رہا تھا کہ کسی بھی دیہات سے اگر کسی متنی سرگرمی کی اطلاع ملی یا فوج پر گولی چلائی گئی تو طیاروں سے بمباری کر کے اسے تباہ کر دیا جائے گا۔

زہریلی گیس کے ہزاروں سلنڈر دربار صاحب اور اس کے گرد و نواح کی عمارتوں میں مورچہ

آپریشن بلیو سٹار کو بنیادی طور پر تین آپریشنز میں تقسیم کیا گیا تھا..... یعنی تین مختلف طرح کی گروپنگ کی گئی تھیں جن کے مطابق یہ کام انجام پانے تھے۔

(1) آپریشن میٹال

(2) آپریشن شاپ

(3) تیسرا حصہ

آپریشن میٹال:

اس آپریشن کو 10 شقوں میں منقسم کیا گیا تھا جن پر ”متعلقہ ذمہ داروں“ نے عمل پیرا ہونا تھا اور اس کی کامیابی کے بعد پھر دوسرے اور آخر میں تیسرے حصے پر عمل ہونا تھا۔ جن 10 شقوں پر مرحلہ وار عمل ہونا تھا ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1۔ بھارتی فوج کے کمانڈرز جنہیں خوزیری میں کمال حاصل ہے اور جو خصوصی طور پر اس مشن کے لئے یہاں لائے گئے تھے وہ دربار صاحب امرتسر میں داخل ہوں گے اور وہاں موجود تمام مسلح اور غیر مسلح افراد کو بلا تخصیص عورت، مرد بچہ، بوڑھا جوان قتل کر دیں گے صرف گوردوارے کے ”سیوا داروں“ اور ”گرنتھی“ کو چھوڑ دیا جائے گا۔

2۔ سکھ مذہب کے مطابق دربار صاحب میں موجود ”ہرمندر صاحب“ کے اندر واقع سکھوں کا مقدس ترین مقام ”اکال تخت“ ہے۔ یہ تخت ایک طرح سے سکھوں کی آزادی اور اقتدار اعلیٰ کا سمبل تصور کیا جاتا ہے اور جس طرح مسلمان اپنا قبلہ و کعبہ خانہ کعبہ کو جانتے ہیں اس طرح سکھ بھی اکال تخت کو نہ صرف رشد و ہدایت کا امین بلکہ سیاسی رہنمائی یا بیابان خیال کرتے ہیں۔ ”آپریشن میٹال“ کی دوسری شق کے مطابق حملہ آور فوجوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ”اکال تخت“ کو ہمارا کر کے جلا کر رکھ کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بان اور نہ بجے بانسری۔ اکال تخت کی تباہی کا مطلب یہ تھا کہ مذہبی طور پر سکھوں کا مورال اتنا گر جاتا کہ عملاً ان کی کمر بے ٹوٹ جاتی اور وہ کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہتے۔

3۔ جہاں کہیں آرٹلری، انفنٹری، آرمرڈ سیکھوں کا قتل ممکن نہ رہے وہاں بھارتی فوج کے مایہ ناز

گھیرنے میں لیا کہ پنجاب فوج کی گرفت میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

اس امر کو ناممکن بنادیا گیا کہ پاکستان یا بھارت کے کسی بھی کونے سے کوئی چیز یا بھی پنجاب کے اندر پر مار سکتی۔

سرحدوں کے ساتھ ساتھ یہ دائرہ شہروں، دیہاتوں اور رہائشی علاقوں تک پھیلتا چلا گیا اور 2 جون کی رات کو حالت یہ تھی کہ پنجاب کے ہر شہر کے چوک میں بکتر بند بھارتی فوج مورچہ بند تھی۔ کچے کچے راستوں پر فوج نے پوزیشن لے رکھی تھی اور پنجاب کو ساری دنیا سے عملاً کاٹ دیا گیا تھا۔ آخری حرا آزماتے ہوئے حکومت 2 جون کی رات کو سارے پنجاب میں کرفیو نافذ کر دیا۔

☆☆☆

7۔ ہندو آبادی کو بچانے کے لئے ہر ممکن اقدام کیا جائے۔ حملے سے پہلے انہیں محفوظ پناہ گاہوں میں پہنچا دیا جائے اور سکھوں کے درمیان گھری ہندو آبادیوں کو فوج کی حفاظت میں دیا جائے۔

ہو سکتی ہے۔

4- مکانوں کی تلاشی لے کر لائنس والا اور بغیر لائنس ہر قسم کا اسلحہ ضبط کر لیا جائے۔ کسی گھر میں کوئی چاقو، چھری، کلہاڑی، کرپان یا کوئی ایسا کھیتی باڑی کا اوزار بھی باقی نہ رہنے دیا جائے جس سے بعد میں ہتھیار کا کام لیا جاسکے۔

5- اس بات کی خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ کسی ہندو کی تلاشی نہیں لی جائے گی (جو سکھ حریت پسند)۔ اس آپریشن میں بچپن میں کامیاب ہوئے ان میں زیادہ تعداد ان کی بھی تھی جنہوں نے ہندوؤں، ڈورادھکا کران کے گھروں میں پناہ لے رکھی تھی یا پھر جنہیں ہندوؤں نے انسانیت اور دینی کے نام پر پناہ دی تھی)۔

6- کسی بھی ٹریڈ، کار، ٹانگلہ ٹریڈ، موٹر سائیکل یا سائیکل کے ذریعے پنجاب کے دیہاتوں، شہروں یا پنجاب سے باہر جانے والے راستوں پر سفر کرتے ہر سکھ کی بلا تخصیص جامہ تلاشی لی جائے۔ معمولی ہتھیار، غصہ ظاہر کرنے والے کو بری طرح زد و کوب کیا جائے یا گولی مار دی جائے یا زد و کوب کر کے بعد اسے قیدیوں کے لئے قائم ہونے والے خصوصی کیمپوں میں رہنے دیا جائے۔

تیسرا مرحلہ:

1- تلاشی کا مرحلہ مکمل ہو جانے کے بعد فوجی شہروں، دیہاتوں کو جانے والے راستوں پر مورچہ بند رہے گی اور وقتاً فوقتاً نزدیکی دیہاتوں اور شہروں میں مسلح گشت کرتی رہے گی۔ اس درمیان جنب فوجی کمانڈر مناسب سمجھے تو ہوائی فائرنگ کر کے مقامی آبادی میں خوف و ہراس پیدا کرے تاکہ لوگ خوفزدہ ہو کر گھروں میں دیکر رہیں اور ذرا صاحب کی سزا پان کے اندر انتقامی جذبات جنم نہ لے سکیں۔ سکھوں کے تجارتی مراکز اور معروف گزراہوں پر ایسا مظاہرہ ضروری قرار دیا گیا۔

2- فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ ہندو آبادی کی حفاظت کو ضروری بنائے۔ اس ضمن میں جس ہندو آبادی پر سکھ حملہ کریں جواب میں فوج اس سکھ آبادی میں قتل عام کرے تاکہ آئندہ کسی کو ہندو آبادی پر حملے کی جرأت نہ ہو۔

3- فوج اور پیرا ملٹری فورسز کے مسلح اور ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار دستے سارے پنجاب میں گشت کرتے رہیں اور جہاں بھی کسی مقام پر سکھ اکٹھا ہونے کی کوشش

کریں انہیں بزور شمشیر منتشر کر دیا جائے۔

4- ہندو کو فتح کا احساس دلانے اور خود کو سکھوں سے برتر ثابت کرنے کے لئے جہاں ان کا مورال بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے وہاں اس مرکوبھی یقینی بنایا جائے کہ سکھوں کا مورال ڈاؤن رہے اس کے لئے جو بھی حربہ مقامی کمانڈر مناسب سمجھے اختیار کرے اس کے لئے اس سے کوئی پوچھ کچھ نہیں کی جائے گی نہ ہی کسی قسم کی حکمانہ کارروائی عمل میں آئے گی۔

5- پٹرولنگ کے درمیان 18 سے 35 سال کی عمر کے درمیان والے سکھ نوجوانوں پر خصوصی نظر رکھی جائے جس پر معمولی سا بھی شک گزرے اسے یا تو گولی مار دی جائے یا پھر گرفتار کر کے "ٹارچر کیمپ" بھیج دیا جائے۔ ایسے نوجوانوں کو "جعلی مقابلوں" میں ہلاک کر دیا جائے یا پھر ٹارچر کیمپ میں تشدد کر کے محتاج کر دیا جائے تاکہ وہ دوسروں کے لئے ہمیشہ نشان عبرت بنے رہیں۔

☆☆☆

دربار صاحب کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا اور کسی کا بھی اس سے باہر آنا ناممکن بنا دیا گیا تھا.....!

اس خطاب میں چائیکائی سیاست کی علمبردار بھارتی سامراج کی نمائندہ مسز اندرا گاندھی نے بھارتی عوام اور ساری دنیا کے انسانوں کو یقین دہانی کروائی کہ وہ سکھوں کے ساتھ پرامن مذاکرات کرے گی۔

اس نے کہا کہ سکھوں نے پنجاب میں قتل عام کا بازار گرم کر رکھا ہے اور وہاں کسی بھی ہندو کی زندگی اور عزت محفوظ نہیں رہی۔

لیکن.....!

ہندو قوم کو صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا کیونکہ یہ مٹھی بھر سر پھرے اور پاکستان کے تربیت یافتہ سکھ ہیں جنہوں نے یہ طوفان اٹھا رکھا ہے۔

بھارتی وزیر اعظم نے اپنے اس خطاب میں سکھوں کو محبت و وطن بہادر بچے اور معاملے کے کھرے لوگ قرار دیتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ سکھوں کی قربانیاں آزادی کے سنگھرش میں کبھی بھی قوم سے زیادہ رہی ہیں اور ”بھارت ماتا“ کی رکھشا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی.....

اس تقریر میں مسز اندرا گاندھی نے سکھوں کے متبرک مقام دربار صاحب پر فوجی حملے کی خبر کو غلط اور ”دشمن کا بے بنیاد پراپیگنڈہ“ بتاتے ہوئے سختی سے کہا کہ بھارت ایک سیکولر اور جمہوری دیش ہے جہاں عوام کے مسائل کا حل لائٹھی گولی کی بجائے گفت و شنید سے ہی نکالا جائے گا۔

☆☆☆

بھارتی وزیر اعظم اپنی دانست میں سازی دنیا کو بے وقوف بنارہی تھی جبکہ!

تاریخ اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ خود بہت بے وقوف تھی اور اس نے ایسا قدم اٹھالیا تھا جس کی سزا رہتی دنیا تک بھارت کو بھگتنا پڑے گی۔

اس کھیل میں نہ صرف اس کی جان گئی بلکہ اس کے بعد سے آج تک بھارت میں قتل کا سلسلہ جاری ہے کبھی اس میں شدت آ جاتی ہے اور کبھی کی ایسا کہا جاسکتا ہے کہ اب حالات حکومت کے کنٹرول میں ہیں لیکن بڑا دشمن ابھی رہتا ہے۔

مسز اندرا گاندھی کے اس اقدام نے بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ سکھوں کے اس عام قتل کے بعد ہی بھارت میں موجود دیگر آزادی اور علیحدگی پسند تحریکیں

یکم جون 1984ء

بھارتی فوج نے باقاعدہ حملے کا آغاز کر دیا۔

بھارتی فوج نے دربار صاحب کیلیکس کے ارد گرد واقع سہارے علاقے کو گھیرے میں لے کر مقامی آبادی کو علاقہ خالی کروانے پر مجبور کر دیا تھا۔

دربار صاحب میں بھارتی فوج کے جرنی شو بیک سنگھ کی کمان میں مورچہ بند سکھ حریت پسندوں کی طاقت کا بازہ لینے کے لئے بھارتی فوجیوں اور سکھوں کے درمیان گولیوں کو معمولی تبادلہ یکم جون کی صبح کو شروع ہو گیا تھا اور دونوں طرف سے وقفے وقفے سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔

سکھ حریت پسندوں نے ساری عمارت اور اس کے ملحقہ بلڈنگوں پر اس طرح مورچہ بندی کی ہوئی تھی کہ بھارتی فوج کے لئے اچانک دھاوا کرنا اور دربار صاحب میں داخل ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ جس طرف سے بھی بھارتی فوج حملے کی کوشش کرتی اس سمت سے مورچہ بند سکھ جوابی فائرنگ شروع کر دیتے.....!

یکم جون ہی کو سارے پنجاب کا مواصلاتی رابطہ امرتسر سے کاٹ دیا گیا.....!

امرتسر شہر کے سکھ ڈپٹی کمشنر کو اس کے دفتر میں پابند کر دیا گیا اور کبھی ایسے سرکاری ملازم کو جس پر سکھ ہونے کے ناطے اس بات کا شک کیا جاسکتا تھا کہ وہ حکومت کے حادہ اقدام کی خبر آؤٹ نہ کر دے آری نے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔

2 جون 1984ء کو بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا۔

یہ خطاب عین ان لمحات میں کیا جا رہا تھا جب امرتسر کا رابطہ ساری دنیا سے کاٹ دیا گیا تھا اور پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں نقل و حرکت ناممکن بنا دی گئی تھی.....!

عین ان لمحات میں جب مسز اندرا گاندھی کے احکامات کے تحت فوج نے سکھوں کے علاقوں

آپریشن بلیو سٹار کا آغاز کر دیا تھا۔

میں شدت پیدا ہوئی خصوصاً تحریک آزادی کشمیر اس کی اہم مثال ہے۔

بھارتی وزیر اعظم کی یہ تقریر دروغ گوئی دھوکہ دہی اور انسانی اقدار کی ہستی کی بدترین مثال تھی۔ اسی نے ایسی قوم کے ساتھ دھوکہ کیا تھا جس نے بھارت کی حفاظت اور اسے پاکستانی فوج کے قہر سے بچانے کے لئے اپنی جانوں کے تین مرتبہ نذرانے دینے تھے.....!

کوئی احمق ہی یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کرے گا کہ 48ء، 65ء اور 71ء میں سکھوں سے لڑ کر کسی قوم نے پاکستانی فوج کا مقابلہ کیا ہوگا.....!

آج سزاوار کا گاندھی اس سکھ قوم کو بالکل اسی طرح سزا دیے جا رہی تھی جس طرح 1947ء میں ان کی قربانیوں کا انعام انہیں اس کے باپ پنڈت جواہر لال نہرو نے دیا تھا۔

ہمسہ کے لئے ان کا طوق سکھوں کے گلے میں ڈال کر.....!

☆☆☆

3 جون کو سکھ اپنے گورو اور ان کی شہادت کا یوم مناتے ہیں.....!

یہ سکھوں کا بہت بڑا ”گورو“ (ہوار) ہوتا ہے۔ اس روز دنیا کے کونے کونے سے سکھ دربار صاحب میں جمع ہو کر اپنی عبادات کرتے ہیں۔ سارا دن خصوصی لنگریا تریوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور گورو گرنتھ صاحب (سکھوں کی مقدس کتاب) خصوصی پڑھتا ہے.....!

اس موقع پر بھارت کے کونے کونے سے ”کیرن“ کرنے والی سکھ پارٹیاں جمع ہوتی ہیں اور اپنے مذہبی اشلوک گا کر سناتے جاتے ہیں۔

3 جون کی تقریبات کا آغاز یکم جون سے اسی طرح ہو جاتا ہے کہ بھارت کے کونے کونے سے آنے والے سکھ دربار صاحب میں مقیم ہو جاتے ہیں تاکہ انہیں 5 جون کی شکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ 3 جون تک دربار صاحب میں موجود مسافروں کی قیام گاہیں بھر جاتی ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں مرد، عورتیں اور بچے یہاں جمع ہو چکے ہوتے ہیں۔

دنیا بھر کے مہذب انسان آج بھی حیران ہوتے ہیں کہ اگر بھارتی حکومت نے وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کرنے کی ٹھان ہی لی تھی تو وہ اپنا شوق 3 جون کے بعد بھی پورا کر سکتی تھیں۔

لیکن.....

مقام حیرت و افسوس ہے کہ انہوں نے اسی دن کو اس بھیانک کازوائی کے لئے منتخب کے جب دربار صاحب میں ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ اور مذہبی عقائد رکھنے والے سکھ موجود تھے۔

اس سانحے پر بھارت میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں خواہ وہ حکومت کے حق میں تھیں یا اس

کے خلاف یہ سوال ضرور اٹھایا گیا ہے کہ آخر 3 جون ہی کو حملے کے لئے کیوں منتخب کیا گیا۔

اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کالی باتا کے خون کی پیاس شاید 3 جون سے بہتر اور کسی روز نہ بجھ سکتی۔

☆☆☆

2 جون 1984ء کو 15 ویں انفرنٹری کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کور دربار صاحب پر حملے کا حکم دیا گیا۔

جی اوسی جانتا تھا کہ 3 جون کو لاکھوں کی تعداد میں بے گناہ سکھوں کے مارے جانے کا خدشہ موجود ہے اس کے ضمیر نے اس بھیانک حکم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اور اپنے ضمیر کے اس فیصلے پر عمل کرتے ہوئے 15 ویں ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے جی ایچ کیو سے معذرت کر لی.....

لیکن.....!

تاریخ ضمیر فروشوں سے بھی کبھی خالی نہیں رہی جہاں نیکی زعمہ ہو وہاں برائی کا وجود ناگزیر ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم نیکی کو بھی برائی کے حوالے اور موجودگی سے ہی پہچان پاتے ہیں۔

ان لمحات میں جب پندرھویں ڈویژن کے آفیسر ان کمانڈ نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر کے بھارتی وزیر اعظم کو پریشان کر دیا تھا۔ میجر جنرل کے ایس براؤن شاید اس موقع کی تلاش میں تھا خود آگے بڑھا اور اس نے آپریشن بلیو سٹار کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

شاید اس سے بہتر خوشنودی حاصل کرنے کا موقع اسے پھر کبھی نہ مل سکتا۔

جنرل دیال کو آپریشن بلیو سٹار کے تحت ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ امرتسر کے دربار صاحب کے علاوہ پنجاب کے دیگر 74 گوردواروں جن میں 37 تاریخی گوردوارے بھی شامل تھے میں ردپوش ”دہشت گردوں“ کا صفایا کرے۔

کہتے ہیں تدبیر کنندہ ہندہ تقدیر کنندہ۔ بھارتی حکومت نے اپنی دانست میں سکھوں کے قتل عام کا منصوبہ بڑی ہوشیاری سے تیار کیا تھا اور اگر دربار صاحب کے علاوہ دیگر گوردواروں کو بھی یکم جون ہی گھیرے میں لے لیا جاتا تو شاید مطلوبہ نتائج ہی حاصل ہو جاتے۔

لیکن.....

15 ویں ڈویژن کے کمانڈر کی طرف سے انکار اور جنرل براؤن کے کمان سنبھالنے میں ایک دن

کا وقت آ گیا کیونکہ جنرل براڈ کوکم از کم 24 گھنٹے اپنی 9 ویں انفنٹری ڈویژن کو یوزیشینس سنبھالنے کے لئے درکار تھے۔

اس ایک روزہ تاخیر نے ہزاروں سکھوں کو مرنے سے بچالیا کیونکہ اس درمیان پنجاب میں سکھوں نے فوج کو تیزی سے پوزیشنیں سنبھالنے دیکھ لیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ دال میں میں کچھ کالا ہے۔

”دربار صاحب“ تو اس طرح گھیرے میں تھا کہ وہاں سے کسی کے باہر آنے یا اندر جانے کا سوا اسی۔ انہیں ہوتا تھا اس کے برعکس ابھی دوسرے گوردواروں میں صورتحال اتنی سنگین نہیں تھی اس لئے وہاں سے یکم جون کی شام تک ہزاروں سکھ یا تریوں کو نکل جانے کا موقع مل گیا۔ کیونکہ 2 جون کے بعد فوج نے کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔

3 جون کی شام تک دربار صاحب اور دوسرے مشتبہ گوردوارے جہاں حریت پسندوں نے پناہ لے رکھی تھی بھارتی فوج کے گھیرے میں پھنس چکے تھے۔

ایم ایم جی ال ایم جی مارو اور آٹو میٹک اسلحے سے لیس بھارتی فوج کے سوراؤں نے گوردواروں کو اس طرح گھیرے لے لیا تھا کہ وہ ہر حرکت کرتی چیز کو نشانہ بنا سکتے تھے۔

4 جون کی صبح 4 بج کر 45 منٹ پر بھارتی فوج نے دربار صاحب پر حملے کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ سکھوں کی مزید خوش قسمتی کہ 3 جون کی شام تک کسی کسی طرح گوردواروں سے نکلنے رہے اس کی وجہ بعض گوردواروں کی تباہی پر متحین بعض فوجیوں کی اپنے لوگوں کے لئے ہمدردی تھی جنہوں نے شاید دل سے ایسے کمانڈروں کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا تھا اور ادل خواستہ یہ کچھ کرنے جا رہے تھے۔

ایک مختلط اندازے کے مطابق 4 جون کی صبح جب بھارتی فوج نے دربار صاحب پر گولہ باری شروع کی تو وہاں کم از کم 10 ہزار یا تری جن میں بچے بوڑھے اور خواتین بھی شامل تھے موجود تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو 3 جون کے بعد دربار صاحب کی عمارت سے اس لئے باہر نہ جاسکے کہ ہر دروازے کے سامنے مورچہ بند بھارتی فائرنگ کر رہے تھے اور جو کوئی بھی کسی دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ان کی گولی کا نشانہ بن جاتا۔

☆☆☆

2 جون کو مسز اندرا گاندھی کی تقریر نے ان بدقسمت یا تریوں کو یقین دہانی کروائی تھی کہ بھارتی فوج دربار صاحب پر حملہ نہیں کرے گی۔ امرتسر شہر میں فوج کی نقل و حرکت اور مورچہ بندی وغیرہ دیکھ

کر اگر کسی سکھ کو شک بھی گزرتا تو صرف اس بات کا کہ دربار صاحب میں موجود جرنیل سکھ بھنڈرا نوالے اور ان کے مسلح ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے لئے فوج نے گھیرنے میں لے رکھا ہے۔ لیکن.....!

جرنیل شو بیگ سکھ ایک ایسا سکھ جرنیل ضرور اندر موجود تھا جس نے صورتحال کی سنگینی کا احساس کیا۔

جنرل شو بیگ سکھ کی جنگی صلاحیتوں کے معترف بھارتی جرنیل بھی تھے۔ انہوں نے 1971 کی جنگ میں شو بیگ سکھ کی خصوصی گوریلا جنگ کی مہارت کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا تھا اور جانتے تھے کہ وہ آسانی سے اندر موجود سکھ حریت پسندوں کو ان کے نشانے پر نہیں آنے دے گا۔

جنرل شو بیگ سکھ کی طرف سے بھارتی فوج کے حملے کی پیشین گوئی جو کہ بہت پہلے کی جا چکی تھی اور اس کی ہدایت پر ہی مختلف جرنیل سکھ کو حریت پسندوں نے ”ہر مندر صاحب“ کی محفوظ ترین جگہ ”انکال تخت“ پر منتقل کر دیا تھا۔

سکھ حریت پسندوں کی خواہش تھی کہ یا تری بحفاظت واپس لوٹ جائیں یا کم از کم دربار صاحب کے انتہائی حساس اور براہ راست فائرنگ کی زد میں آنے سے ”سرورد“ (تالاب) اور ”پرکرمیاں“ (وہ راستہ جو ہر مندر صاحب کی طرف جاتا ہے) پر اجماع نہ کریں۔ انہوں نے اپنے طرز پر عام سکھوں کو سمجھانے کی کوشش بھی کی اور باور کروانا چاہا کہ وہ براہ راست دشمن کی گولہ باری کی زد میں آجائیں گے۔

لیکن.....

عام سکھ یا تریوں نے اس وراٹک کو نظر انداز کر دیا۔

”سرورد“ (مقدس تالاب) میں غسل کرنا ان کی عبادات کا حصہ ہے اور دور دور سے آنے ہوئے سکھ یا تری اس میں غسل کرنے پر مہم تھے۔

4 جون کو جب بھارتی فوج نے علی الصبح گولہ باری کا آغاز کیا تو سینکڑوں یا تری اس حساس علاقے میں اپنے مذہبی فرائض ادا کر رہے تھے کہ اچانک ان پر مارٹر میڈیم مشین گن اور لائٹ مشین گن کے فائر گرنے لگے.....!!

سینکڑوں بے گناہ سکھ گولیوں سے زخمی ہو کر ترپنے لگے اور سینکڑوں آرٹلری کے فائر کی بھیٹ چڑھ گئے پلک جھپکتے میں ”سرورد“ کا پانی ان کے لبو سے سرخ ہو گیا اور پانی کا تالاب خون کا تالاب بن گیا۔

گنگن دامہ باجیو

پر یونٹا نے گھاؤ

کھیت جو مانڈیو سورما

اب جھو جن کو آؤ

سوراسو پچانے جوڑے دین کے پٹھ

پرزہ پرزہ کٹ مرے کھونڈ چھاڑے کھیت

ترجمہ: جنگ کا فخرہ نچ چکا ہے۔ اب سکھ ماؤں کے لال دشمن کی لاکار کا جواب دیتے میدان جنگ میں نکل آئے ہیں۔ سکھ سورما وہی ہے جو اپنے دین دھرم کو بچانے کے لئے مردانہ وار لڑے گا۔ اس کے جسم کا پرزہ پرزہ الگ کر دیا جائے لیکن وہ زندہ حالت میں میدان سے بھاگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

جب کیرتن کرنے والوں نے گورو گو بند سنگھ کا جنگی ترانہ:

وہ شواذ موعاے ہے

شہ کرمن تے کب ہوں نہ زروں

نہ زروں اے سوں جب جائے لڑوں

نچے کرا پی جیت کروں

ار سکھ ہوں اپنے ہی من کوں

ایہہ لالچ ہاؤ گن تاؤ اچوں

جب آؤ کی او دھ نہ حان بنے

ات ہی تب رن میں جو جھ مروں

ترجمہ: میرے خداوند تعالیٰ مجھے یہ برہنشا ہے کہ میں اچھے کام کرنے سے کبھی نہیں ڈروں گا۔ اگرچہ مجھے میدان جنگ میں جانا پڑے تو بھی میں اپنے صدق کے سہارے جیت کر لوٹوں گا۔ سکھ بن جانے کے بعد میرے دل کی صرف ایک ہی تمنا ہے کہ جب بھی میری غیرت کو لاکار جائے میں دیوانہ وار میدان جنگ میں کودوں اور لڑتا ہوا مارا جاؤں۔

گنا شروع کیا تو دربار صاحب کے کونے کونے میں چھپے سکھوں میں ایک دلولہ تازہ پیدا ہوا۔ جوش غضب سے انہوں نے ”بولے سونہال۔ ست سری اکال“ کے ”بے کارے (نعرے) بلند کرنے شروع کر دیے۔

”پر کرماں“ یعنی ہر مند صاحب کی طرف جانے والا سنگ مرمر کے پتھروں سے ہزارا ستہ جیسے سکھ روزانہ دودھ سے دھوتے ہیں ان کے خون سے دھلتے لگا۔ ”پر کرماں“ پر لہو کا دریا الگ سے بہنے لگا تھا۔

اس اچانک حملے نے سکھوں میں بوکھلاہٹ اور خوف تو پیدا کیا لیکن جلد ہی یہ سب کچھ غصے اور انتقام میں بدلنے لگا۔ اپنے گورو اور جن دیوی کی تقلید میں وہ سب:

تیرا بھانا میٹھا لاٹھے (ترجمہ: یا اللہ تیرا ہر فیصلہ ہم دل و جان سے قبول کرتے ہیں) پکارتے رہے ”گور بانی“ (سکھوں کی مقدس مذہبی آیات) کا پانٹھ کرنے لگے۔!!

مورت حال ایسی تھی کہ براہ راست گولہ باری کی زد میں آنے والے ان بے گناہوں تک طبی امداد نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ بہت سے ایسے جو زخمی تھے اور جن کی جانیں بچ سکتی تھیں محض اپنے زخموں سے بے تحاشہ ذبح بہہ جانے اور ابتدائی طبی امداد میسر نہ آنے کے سبب مارے گئے۔ عین ان لمحات میں جب بھائی فوج نہتے اور بے گناہ سکھوں کو ان کے لیڈروں کی طرف سے 1947ء سرزد ہونے والے گناہ کی سراہی ہو رہی تھی۔

”ہر مند صاحب“ میں اسے چند گز کے فاصلے پر موجود ”اکال تخت“ سے خالصتاً حریت پسندوں کے کیرتن (مذہبی گیت گانے) کی آواز بلند ہونے لگی۔

یہ لوگ سکھوں کے گوروؤں کی طرف سے ایسے موافق پر گائے جانے والے اپنے جنگی ترانے گا کر مرنے والوں کا جہاں حوصلہ بڑھا رہے تھے وہاں انہیں خزانہ عین پیش کر رہے تھے سب سے پہلے جو آواز سنائی دی وہ اس ”کیرتن“ کی تھیں۔

جو تھیو پریم سکھیلن کے جاؤ
سر دھر تلی گلی مورے

(ترجمہ: اگر تمہیں میرے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو اپنی جان تلی پر رکھ کر میرے ساتھ آن ملو)

ات مارگ بیدر دھرتیجے
سر دیبجے کاٹھ نہ کیجے

(ترجمہ: اس راستے پر پاؤں دھرنے کا پہلا اصول یہی ہے کہ تمہارا سر تو کٹ جائے لیکن تم دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا)

اکال تخت پر مورچہ بند سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے حریت پسند جن کی کمان بھائی امریکہ سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ کورس کی شکل میں گارہے تھے۔

بھارتی فوج نے حملے کے آغاز میں دربار صاحب میں بجلی سپلائی کی لائنیں کاٹ دی تھیں لیکن بیٹری سے چلنے والے لاؤڈ سپیکروں کا گلا گھونٹنا ان کے بس کی بات نہیں تھی وہ سوائے کڑھنے کے اور کیا کتے تھے؟

ان ولولہ انگیز ترانوں کی گونج بہت دور اور دیر تک سنائی دیتی رہی۔

☆☆☆

فریقین میں گولیوں کا تبادلہ تو یکم جون کی شام ہی کو ہونے لگا تھا۔

یکم جون کی شام سے 3 جون تک رات تک وقفے وقفے سے بھارتی فوج دربار صاحب میں راجہ بدھوں پر فائرنگ کر کے دراصل ان کی طاقت کا اندازہ لگا رہی تھی۔ بعد میں شائع ہونے والی رپورٹوں میں حیرت انگیز انکشاف کیا گیا کہ انٹیلی جنس کے سینکڑوں سفید پوش کی دربار صاحب میں مسلسل موجودگی کے باوجود 6 جون تک جب تک کہ بھارتی فوج نے یہ ”سحر کر نہیں کر لیا“ انہیں حریت پسندوں کی ”جلی طاقت“ کا علم ہی نہ ہوسکا۔

دربار صاحب کی جابی کے راکے لمبے عرصے تک بھارت کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے درمیان سرد جنگ کی سی کیفیت رہی رہی۔ ہر ایجنسی غلط رپورٹنگ اور صورتحال کا صحیح اندازہ نہ لگانے پر ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتی رہی جب کہ آرمی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے حکومت کو جو رپورٹ پیش کی گئی اس میں سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کا نام لایا ہی نہ تھا۔ یہ ہونے ان پر الزام لگایا گیا کہ بعض خفیہ مورچوں کی پہلے سے نشاندہی نہ ہونے کی وجہ سے درجنوں فوجیوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔!!

دربار صاحب میں داخل ہونے والے تمام ٹروپس کمانڈروں کو انٹیلی جنس ایجنسیوں کی اطلاعات کی بنیاد پر نقشے تیار کر کے دیئے گئے تھے وہ غلط ثابت ہوئے۔۔۔۔۔!

متحدہ ایسے مقامات جہاں ان ایجنسیوں کی اطلاعات کے مطابق میدان صاف تھا پر بظاہر مطمئن آگے بڑھتے بھارتی کمانڈرز پر اچانک ہی کسی تہ خانے یا ملحقہ دیوار کے سوراخ سے جھانکتی مشین گنوں کی گولیوں کا مینہ برسنے لگتا۔۔۔۔۔ اور ان کے سنبھلنے سے پہلے ان کے بہت سے جوان مارے جاتے۔

حملے کے خاتمے پر اخبار نویسوں کو بریفنگ دیتے ہوئے جنرل سندر جی اور جنرل دیال نے بڑے بڑے نقشوں کی مدد سے درجنوں ایسے خفیہ مورچے دکھائے جہاں سے خلاف توقع ان کے جوانوں پر فائرنگ ہوئی اور بھارتی فوج کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

اس پریس کانفرنس میں جنرل سندر جی نے اس صورتحال کا ذمہ دار براہ راست بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو قرار دیا۔

☆☆☆

4 جون کی صبح انفنٹری کے ساتھ ساتھ آرٹلری بھی حملے میں شامل ہوگئی کیونکہ 3 جون تک جنرل سندر جی نے اندازہ کر لیا تھا کہ صورتحال ان کی توقع سے کہیں زیادہ بڑھ کر خطرناک ہے۔ اس دوران پہلی کاپڑوں سے حریت پسندوں کے سردوں پر پرواز کرتے اور باریک بنی سے صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد بھارتی کمانڈرز اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ خصوصاً دربار صاحب کے تاریخی میناروں پانی کی ٹینکیوں اور بلندی پر موجود چھتوں پر ریت کی بور یوں سے مورچے بنائے خالصتاً حریت پسندوں پر صرف انفنٹری کی مدد سے قابو نہیں پایا جاسکتا۔

پیدل فوج کی طرف سے اونچے مورچوں کی تسخیر میں جتنے زیادہ جانی نقصان کا تخمینہ لگایا گیا اسے برداشت کرنا بھارتی فوج کے لئے ممکن نہیں تھا۔

جنرل دیال نے بھی بعد میں جو وضاحت اخبار نویسوں کے سامنے پیش کی اور اس سلسلے میں جو دستاویزات بھارتی حکومت کی طرف سے منظر عام پر آئی ہیں ان میں یہی تکرار موجود ہے کہ بھارتی پیدل فوج کے لئے دہشت گردوں پر حملہ کر کے مثبت نتائج حاصل کرنا ناممکن ہو گیا تھا کیونکہ ان کی کمان ایک تجربہ کار جرنیل کر رہا تھا جس نے انہیں اس انداز میں مورچہ بند کیا ہوا تھا کہ کمانڈرز اگر اچانک یلغار کر کے دربار صاحب میں داخل ہو جاتے تو سکھ انہیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے۔

ان حالات کو دیکھ کر اور انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی بھارتی فوج کے کمانڈر نے آرٹلری (توپ خانے) کو میدان میں لانے کا حکم دیا اور 4 جون کو حملے کا آغاز توپ خانے کی گولہ باری سے ہوا۔

☆☆☆

انہیں بھون کر رکھ دو“.....!

یہ تھا وہ ”آرڈر آف دی ڈے“ جو کچھ حریت پسندوں کو اپنے کمانڈو انچیف جنرل شوبیک سنگھ کی طرف سے ملا۔

گوشت پوست کے یہ انسان دربار صاحب کی مختلف عمارتوں میں اینٹوں سے بنی دیواروں کے پیچھے سر جھکائے آتش و آہن کی بارش میں ”گور بانی“ کا پانٹھ کرتے اسی لمحے کے منتظر تھے جب بھارتی فوج میدان صاف سمجھ کر اندر داخل ہو اور وہ بھوکے شیروں کی طرح اس پر چھٹیں۔

مسلل بمباری سے اعصاب ترخنے لگے تھے.....!!

گولے ان کے گرد گرد پھٹ رہے تھے.....!!

پتھر پٹی عمارت روٹی کے دھنکتے ہوئے گالوں کی طرح اڑ رہی تھی.....!

لیکن.....!

وہ مجبور تھے.....

ان کے پاس ایسا اسلحہ نہیں تھا جس سے وہ دشمن کو اس کی زبان میں جواب دے سکتے۔ بس ایک ہی طریقہ تھا کہ جب ایک مورچہ تباہ ہونے لگتا تو وہ دوسرے مورچے میں منتقل ہو جاتے یا پھر دربار صاحب کے زیر زمین تہہ خانوں میں چھپے گولہ باری سے دربار صاحب کی تباہی کا تماشہ دیکھتے رہتے.....!!

سوائے ایک دو مورچوں کے جہاں ایک آدھ لائٹ مشین گن نصب تھی اندر سے کوئی جوابی فائر نہیں آ رہا تھا.....!!

سکھوں کے پاس ایسا اسلحہ بھی نہیں تھا کہ جس سے وہ کم از کم اپنے سروں پر منڈلاتے ان ہیلی کاپٹروں ہی کو نشانہ بنا سکتے جو بمباری کرنے والوں کی راہنمائی کر رہے تھے اور جن میں نصب جدید جاسوسی آلات اندر موجود نقل و حرکت نوٹ کر کے اپنی فوج کے لئے مزید آسانیاں بہم پہنچا رہے تھے۔

4 جون اس بمباری کی نذر ہو گیا.....!!

5 جون کی صبح پونے پانچ بجے فوج نے چھوٹے اسلحے سے فائرنگ شروع کی۔ یہ مزید کھلے حملے کا سگنل تھا اور اس سے پہلے بھارتی فوج یہ تاثر دے رہی تھی کہ وہ جنگی اصولوں کے مطابق پہلے توپ خانے کے فائر سے دشمن کا ڈیفنس تباہ کرے گی اور پھر پیدل فوج سے حملہ کیا جائے گا.....!!

ٹھنڈے دماغ کا بوڑھا لیکن جوان ارادوں کا حامل جنرل شوبیک سنگھ آنکھوں سے دور بین

4 جون کی صبح سکھوں پر آرٹلری کی طرف سے ایم ایم جی ایل ایل اور ایس ایل آر کا فائر پوری شدت سے آنے لگا تھا..... جس کا سلسلہ پھر 7 جون تک جاری رہا.....!!

آرٹلری کے اس فائر کے لئے ”او۔ پی“ کے فرائض فضا میں گشت کرتے ہیلی کاپٹروں سے انجام پا رہے تھے اور اس فائر کو مزید موثر کرنے کے لئے مارٹریکارس رائفلز کا سپورٹنگ فائر بھی دیا جا رہا تھا۔

4 جون کی صبح ”سردار“ اور ”پرکرم“ میں جو تباہی آئی وہ اس کی مرہون منت تھی۔ اس کے ساتھ ہی دربار صاحب کپلیکس کی سی بلڈنگوں کو بھی زبردست نقصان پہنچا۔

”اکال تخت“ اس بمباری خصوصاً مارگٹ بنا.....!!

”دربار صاحب“ کے چاروں طرف موجود بازاروں، میز ادائے مقامات پر فوج نے اس طرح مورچے جمائے تھے کہ چاروں طرف سے گولے دربار صاحب کے اندر گرنے لگے۔

4 جون کو اس شدت کے ساتھ حملے کرنے میں ”سی۔ ٹی“ کی یہ تھی کہ ”فائر پاور“ کی شدت سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں گے اور باہر نکل آئیں گے یا کم از کم اس سے بھاگنے کی کوشش ضرور کریں گے جنہیں کسی بھی مرحلے پر بھارتی فوج ”ٹریپ“ کر سکتی تھی.....

جنرل دیال سے کہا گیا تھا کہ معاملے کو جتنی جلدی ممکن ہو ختم کرنا ہے۔ مارا جا رہا ہے کھینچنا۔ لیکن.....

اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ اتنی آسان بات بھی نہیں ہے۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ دربار صاحب کے اندر مورچے بند سکھوں کے پاس چند راکٹ لانچر ایک آدھ ایل ایم جی اور خود کار رائفلیں تھیں اور ان کے مقابل بھارتی فوج میڈیم گنیں جن میں ”ماؤنٹرز“، ”ماؤنٹین گنز“ اینٹی ٹینک میزائل اور اینٹی ٹینک رائفلز، ہیوی مارٹریز اور مسلسل آگ برسانے والی ایم ایم جی ایک ایم جی اور ایس ایل آر استعمال کر رہی تھی۔

☆☆☆

”اپنے مورچوں میں سر جھکا کر چپ چاپ دشمن کا انتظار کرو..... جیسے ہی وہ اندر داخل ہوں“

جنرل دیال کم از کم جانی نقصان اٹھا کر فتح حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے 5 جون کی شام تک یہی حکمت عملی اپنائے رکھی اور 5 جون کی شام کو حالت یہ تھی کہ دربار صاحب کے اندر متعدد عمارتوں کو آگ لگ چکی تھی.....!!

اس کے ساتھ ہی دربار صاحب کے باہر موجود بازار اور عمارات کو آگ لگا دی گئی۔ اب ”دربار صاحب“ کی ساری عمارت آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آچکی تھی اور چاروں طرف آگ کا دریا بہہ رہا تھا۔

سکھ حریت پسندوں کے لئے کسی بھی عمارت کی آگ بجھانا ناممکن تھا کیونکہ دشمن نے پانی اور بجلی کی سپلائی معطل کر رکھی تھی..... جبکہ دربار صاحب کی مختلف عمارات میں پھنسے ہزاروں بے گناہ سکھ عورتیں اور بچے پانی کے لئے بلک رہے تھے.....!!

جون کا مہینہ قیامت کی گرمی کا مہینہ تھا.....!!

پانی اور بجلی بند.....

چاروں طرف آتش و آہن کا سیلاب ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

اس عالم میں عمارت میں محبوس بے گناہ بچوں بوڑھوں اور عورتوں پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی اس کا اندازہ باسانی لگایا جاسکتا ہے۔

36 گھنٹے مسلسل گولہ باری کے بعد جنرل آرائس دیال کے اپنا ہر اول دست حملے کے لئے روانہ کر دیا۔

یہ بھارتی فوج کے مایہ ناز ”ایس ایف ایف کمانڈرز“ تھے جن کا تعلق ”چکرا تا“ کی 122 سیلیمینٹ سے تھا.....

انہیں بطور خاص دربار صاحب پر حملے کی رہبر سل کروائی گئی تھی.....!!

اکال تخت کے بائیں کونے سے بھارتی کمانڈرز ہینڈ گرنڈ پھینکتے ہاتھوں میں آٹو میک اسلحہ تھامے ”جے ہند“ چلاتے حملہ آور ہوئے۔ حملے کا آغاز 5 جون کی صبح 8 بجے ہوا.....

یکم جون سے صبر و استقامت کے ٹیلے بنے سکھ حریت پسندوں کو ان کے کمانڈر انچیف نے پہلی مرتبہ فائرنگ کا حکم دیا تھا..... قہر و غضب میں بھٹکتے سکھ حریت پسندوں نے منٹوں میں درجنوں کمانڈرز کا صفایا کر دیا..... خالصتاً سکھ زمین دوز مورچوں پتھر پھیل جالیوں کی آڑ سے اور دیواروں

میں سوراخوں کے پیچھے اس طرح چھپے ہوئے تھے کہ دشمن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا.....!!

یکے بعد دیگرے تین گروپس جنرل دیال نے اندر بھیجے.....

لگائے ”اکال تخت“ کے ایک قدرے محفوظ مورچے میں کھڑا ہاتھ میں اپنی عادت کے مطابق ایک جھوٹی سی چھڑی لئے بڑے مبر سے صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔

جنرل شوبیک نے ایسی پوزیشن کر رکھی تھی جس سے اسے کم از کم اپنے مورچوں کی صحیح صورت حال کا علم ہوتا رہتا تھا۔ اپنے ساتھ موجود سکھ حریت پسند کو جس کے ہاتھ میں ”وا کی ٹائی“ بکڑا ہوا تھا جنرل کبھی کبھی کسی مورچے کے لئے ہدایت جاری کر دیتا۔ جسے اس ”وا کی ٹائی“ کے ذریعے متعلقہ مورچے تک پہنچا دیا جاتا۔

جہاں یہ سلسلہ ناپید تھا وہاں سکھ حریت پسند اس قیامت کی گولہ باری میں بھاگ بھاگ کر جنرل شوبیک سنگھ کے احکامات پہنچاتے رہے۔

اس مسلسل گولہ باری نے ”پر کرماں“ اور اس کے ارد گرد کی عمارات میں چھپے بے گناہ سکھ یاتریوں ہی کو خون میں نہلایا تھا بلکہ بھارتی سوراخوں کو اس قیامت خیز گولہ باری سے دواہم کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں۔

سکھ حریت پسندوں کے دواہم مورچے جو ”رام گڑھیا بنگلہ“ (دو میناروں) اور اونچائی پر بنے پانی کے ٹینکوں پر قائم کیے گئے تھے اور درجنوں ہی سے اب تک بھارتی فوج کو تھوڑا بہت جواب بھی مل رہا تھا بھارتی فوج نے تباہ کر دیے۔

ان مورچوں کی کمان ”بیر خالہ“ اور ”سکھ سنور“ فائرین کے چھتھ اور کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بساط کے مطابق یہاں رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں لیکن 7ء 13 بج دھانے کے ”ہاؤزر“ کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی.....

معمولی سا جانی نقصان اٹھانے کے بعد بیر خالہ اور فیڈریشن کے کچھ بانیاز جن میں زیادہ تعداد زخمیوں کی تھی مورچے خالی کر کے محفوظ پناہ گاہوں میں چلے آئے۔

اب تک شوبیک سنگھ نے جوابی فائرنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔

بوڑھا جرنیل اپنی گولیاں کسی اچھے وقت کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ پوری توانائی کے ساتھ جوابی حملہ کرنا چاہتا تھا۔

لیکن.....

ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

دونوں مورچوں کی تباہی کے بعد بھارتی فوج نے سمجھ لیا کہ میدان مار لیا ہے۔

لیکن.....

فوج کے بہترین حصے کا اس طرح صفایا کروانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا!! درجنوں کمانڈوز موقع پر مارے گئے اور درجنوں زخمی ہوئے.....!! جلد ہی جنرل دیال کو اندازہ ہو گیا کہ کم از کم اس راستے سے حملہ ممکن نہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس نے دوسری سمت سے حملہ آور فوج کو آگے بڑھایا۔

یہ ملہ دربار صاحب کے مین گیٹ پر گھنٹہ گھر کی سمت سے "10 گارڈز" اور "بہارر جمنٹ" کی دو سبیلوں سے کیا.....!!

انہیں کمانڈوز سے بھی زیادہ جاہی کا سامنا کرنا پڑا۔

بھارتی فوج کو اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ دروازہ سے ملحقہ میڑھیوں اور "پرکرماں" کی گہرائی میں جنرل شو بیک سنگھ نے پانچ مضافے اور پچاس ممکنہ صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار کر رکھے تھے.....

ان مورچوں کی پوزیشن ایسی تھی مین گیٹ سے آگے والی چڑیا بھی ان کی زد سے محفوظ نہ رہتی.....

مقام ترین اندازے کے مطابق اس جگہ ستر اور اسی کے درمیان بھارتی فوجی مارے گئے۔ درجنوں زخمی ہوئے اور حملہ بری طرح پسپا کر دیا گیا۔

☆☆☆

اس مرتبہ جنرل دیال نے جہاں ایک طرف مین گیٹ پر حملہ کیا تھا۔ وہیں "سراے درورام داس" کی سمت سے 26 مدارس اور کماڑی رجمنٹ کے خصوصی تربیت یافتہ سوراؤں نے آگے بڑھایا۔ جن کے استقبال کے لئے "بہر خالہ" اور فیڈریشن نے پہلے ہی سے اس طرف مورچے بندیاں کر رکھی تھیں۔

"میناروں" (بگڑا صاحب) کے مورچے تباہ ہونے کے بعد دونوں ایل ایم جی اب یہاں مورچے بند خالہ تانیوں کے پاس موجود تھیں۔ جنہوں نے اپنے دونوں مورچوں کی جاہی کا قرضہ بھی ہمیں چکا دیا اور اس حملے کا شاید ہی کوئی زخمی خوش نصیب ایسا ہوگا جو یہاں سے زندہ بچ کر باہر نکلا ہو.....

صبح 10 بجے تک صورتحال یہ تھی کہ 2 ہزار بے گناہ یا تری اور بھارتی فوجی اس حملے میں

مارے گئے تھے۔

مختلف بٹالین اور یونٹوں کی طرف سے مختلف اطراف سے حملوں نے بھارتی فوج کے لئے مضحکہ خیز صورتحال پیدا کر دی تھی۔ بہت سے بھارتی فوجی تو بھارتی فوج کی مختلف یونٹوں کے "کور فائر" ہی کی بھیجٹ چڑھ گئے۔

قریباً تمام کمانڈروں نے اپنے جوانوں کو ہر "حرکت کرتے مار گیت" کو نشانہ بنانے کا حکم دیا تھا اور کسی بھی طرف سے معمولی سی حرکت پر بھی بھارتی فوج فوراً فائرنگ کرنے لگتی تھی۔ بڑی مضحکہ خیز صورتحال تھی۔

خالہ تانی سکھ تو اپنے مورچوں میں محفوظ آسانی سے شکار کھیل رہے تھے جب کہ سامنے کھلے میدان میں بھارتی فوجی بکھرے ہوئے تھے۔

ان میں وہ بدقسمت زخمی بھی تھے جو گھسیٹے ہوئے باہر آنے کی کوشش کرتے اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ یوں بھی کھلے میدان میں موجود یہ فوجی جہاں سکھوں کے نشانے پر تھے وہاں اپنی فوج کی سکھوں پر ہونے والی فائرنگ سے بھی بچ نہیں سکتے تھے.....!!

☆☆☆

جب 9 ویں انفنٹری ڈویژن کے "ڈویژنل ریزرو" بھی کوئی کارنامہ انجام دینے سے قاصر رہے اور مکمل ناکام ہو گئے تو جنرل دیال اور "جنرل سندرجی" (جی اوی آف ویسٹرن کمانڈ) نے 15 ویں انفنٹری ڈویژن کو آگے بڑھایا۔

پندرہویں انفنٹری ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈ بریگیڈ سیراے۔ کے۔ دیوان نے اس حملے کی قیادت خود کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ وہ یہ معاملہ اپنے جونیئر پر چھوڑ کر 9 ویں ڈویژن کی تاریخ نہیں دھرانا چاہتا تھا.....

بریگیڈ سیر دیوان کو بعد میں اس حملے میں "بہادری" دکھانے پر 2 اعلیٰ فوجی اعزازات سے نوازے ہوئے میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی۔

پانچ اور چھ جنوں کی درمیانی رات کو بریگیڈ سیر دیوان کی کمانڈ میں 7 ویں بٹالین اور "گردال رجمنٹ" کے جوانوں نے "پرکرماں" پر حملہ کیا۔

بریگیڈ سیر دیوان نے اس عزم کے ساتھ حملہ کیا تھا کہ وہ "اموات" کی پرواہ کئے بغیر آخری کامیابی تک جنگ لڑے گا۔

اور

اس نے ایسا ہی کیا.....!!

پیدل فوج نے سب سے بڑا اور خوریز معرکہ یہاں لڑا۔ تین گھنٹے کی دست بدست لڑائی کے بعد جب ”پر کر ماں“ پر کشتوں کے پستے لگ رہے تھے۔ بریگیڈئیر دیوان بہر حال اس علاقے میں قدم بجا چکا تھا۔ اس کے جوانوں نے سکھوں کے پانچوں مورچوں پر فتح حاصل کر لی تھی۔ اس بات کا علم تو نہیں بہت بعد میں ہوا کہ ان پانچ مورچوں میں ”فتح“ حاصل کرنے تک مارے جانے سکھوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں تھی جبکہ بھارتی فوج کی کئی سینکڑوں میں پہنچ چکی تھی۔

سہ پہر تک بریگیڈئیر دیوان اپنے کمانڈر زکو ”پر کر ماں“ فتح کرنے کی نوید سن رہا تھا۔ اب سب سے کام یہ تھا ”اکال تخت“ پر قابض ہونا.....
اس مرتبہ 9 ویں اور 15 ڈویژن کی مشترکہ کوششوں کے بعد بھی ناکامی ہوئی اور ”اکال تخت“ پر قبضہ ممکن نہ ہو سکا۔

☆☆☆

6 جون کی دوپہر کو جنرل آر۔ بی۔ دیال اور جنرل سندرجی نے بھارتی وزیراعظم کو ”سی آواے ایس“ پر ریڈیو کے ذریعے رابطہ کر کے درخواست کی کہ ”اکال تخت“ پر قبضہ کرنے کے لئے انہیں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں دربار صاحب کے اندر نہ جائیں کی اجازت دی جائے کیونکہ اس کے علاوہ ”اکال تخت“ کی فتح کا اور کوئی محفوظ راستہ دکھائی نہیں دے گا۔
”مجھے اور کروڑھ کی آگ میں پھنسنے کی مسز اندر گاندھی نے بولا۔“

اس کا غصہ بے قابو ہوا جا رہا تھا کہ گزشتہ پانچ دن سے فوج امرتسر میں رہ رہی تھی حالانکہ انہیں ہر ممکن سہولت اور مکمل اختیارات کے ساتھ وہاں بھیجا گیا تھا!!
مسز اندر گاندھی کو فوجی جرنیلوں نے یہ بھی یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ 24 گئے۔ لے اندر اندر دربار صاحب فتح کر لیں گے.....

اور.....

اب یہی بے وقوف جرنیل اس سے ٹینک دربار صاحب کے اندر لے جانے کی اجازت مانگ رہے تھے جبکہ دوسری طرف ساری دنیا میں اس حملے کی خبر پھیل چکی تھی اور یورپ امریکہ اور کینیڈا میں بھارتی سفارت خانوں کے سامنے سکھوں نے احتجاج شروع کر دیا تھا۔
ساری دنیا کا مہذب پر لیس بھارتی فوج کی اس بہمت پر سراپا احتجاج بن گیا تھا۔ مسز اندر

گاندھی کی خواہش تھی کہ اس سے پہلے کہ ملک کے اندر اپوزیشن اس کے خلاف کوئی طوفان کھڑا کر دے اور اسے لینے کے دیئے پڑ جائیں۔

یہ خونی ڈرامہ ختم ہو جانا چاہیے.....!!

”جنرل اسے ختم کرو..... ختم کرو..... فوراً ہر قیمت پر۔ ڈیم اسٹ“..... اس نے غصے سے پھنکارتے ہوئے فون کریڈل پر بٹھا تھا۔

☆☆☆

کشی مشن“ نے اس ٹینک کو ناکارہ کر دیا۔

یہ ٹینک ”پر کر ماں“ میں بابا ادیب سنگھ کی سادھی کے سامنے پھنس گیا۔ اس کے چیمین ٹوٹ چکے تھے جس کی وجہ سے حرکت نہیں رہی تھی۔ بعد میں بھارتی فوج نے بڑی مشکل سے خصوصی کرین منگوا کر اس ٹینک کو باہر نکالا کیونکہ جس پوزیشن میں یہ ٹینک تباہ ہوا تھا اس کا باہر نکالنا ہی کاردار تھا۔ رات گئے تک صورت حال یہ تھی کہ اب 13 ٹینک ”اکال تخت“ کے بالکل سامنے پوزیشن لے چکے تھے۔ انہیں اکال تخت کی تباہی کا ”کارنامہ“ انجام دینا تھا۔

☆☆☆

ان ٹینکوں نے حکم ملتے ہی ”اکال تخت“ اور اس سے ملحقہ عمارتوں پر آگ برسانی شروع کر دی۔

اس گولہ باری کا نشانہ خاص طور پر ”پر کر ماں“ کے ساتھ ساتھ کمروں میں پناہ لینے والے بے گناہ سکھ یا تری بنے۔ اس کے ساتھ ہی زہریلی گیس کے کنٹینر ”اکال تخت“ پر پھینکے جانے لگے۔ اپنی دانست میں بھارتی فوج نے ان مورچوں میں چھپے سکھ حریت پسندوں کی موت کا ہر ممکن سامان پیدا کر دیا تھا۔

اسکے باوجود کہ ٹینکوں کی مسلسل گولہ باری نے ”اکال تخت“ کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اور بظاہر اس طرف سے مزاحمت کے تمام امکانات ختم ہوتے نظر آ رہے تھے۔ لیکن.....

بھارتی فوج کے پیدل سواروں کو ابھی تک اکال تخت میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ رات سے صبح دیر گئے تک انہوں نے جب بھی اکال تخت پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ بچے کچھ خالصتائی سکھوں نے دلیرانہ جوابی حملے سے ان کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔ بھارتی فوجیوں کے لئے جب ”دہشت گردوں“ پر قابو پانا ممکن نہ رہا تو انہوں نے اپنا غصہ بے گناہ اور سنیہ یا تریوں پر اتارنا شروع کر دیا۔

زہریلی گیسوں سے ملبوس نئی کے جیلے ان کمروں میں جا گھسے جہاں عورتوں بچوں اور بوڑھوں نے پناہ لے رکھی تھی اور انہوں نے ان ناکوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دی..... گیس سے اگر کوئی بروقت بچ نکلتا اور کسی نہ کسی طرح کمرے سے باہر آنے میں کامیاب ہو جاتا تو بھارتی فوج اسے گولیوں سے بھون ڈالتی۔

درندگی اور ہمیت کا یہ اندوہناک مظاہرہ سیکولر بھارت کی بہادر افواج کی اخلاقی پستی کی انتہا

16 ویں کیلری کے جن ٹینکوں کو سب سے پہلے گورو رام داس سرائے کی طرف سے دربار صاحب میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا ان کو ایک بڑی قباحت یہ درپیش تھی کہ پہلے راستے کی رکاوٹوں کو صاف کیا جاتا۔

اس کے لیے پہلے بمباری کرتے اس سمت کا بڑا دروازہ توڑا گیا۔ اس کے بعد بیڑھیوں کا طویل ”ختم“ کیا گیا۔ اس درمیان شام ڈھلنے لگی تھی جب ٹینکوں کے لئے میدان صاف ہوا بھارتی فوج کو یقین تھا کہ اس ایام میں موجود مورچوں میں کوئی انٹینی ٹینک اسلحہ نہیں ہے۔ اس لئے شاید ”پر کر ماں“ کی طرف سے ہی اندر داخل ہونے کی کوشش کی گئی تھی۔

بھارتی فوج کی طرف سے جو ”آرٹھ پرنسپل کیرئیر“ (APC) اندر داخل ہوا۔ وہ اکال تخت کے بائیں سمت کی طرف بڑھا۔ اچانک ہی اس طرف سے راکٹ لاٹچر فائر ہوا اور اس کے پرزے اڑنے لگے.....

اس صورتحال کا اندازہ کرتے ہوئے اب جنرل دیال نے فوجی حکمت عملی اختیار کی چونکہ سکھوں کے مورچے ”اکال تخت“ میں تھے جہاں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ جنرل دیال نے جو ٹینک اندر بھیجے ان کی تعداد 13 تھی۔

ان ٹینکوں پر آنکھوں کی روشنی ختم کرنے والے خطرناک ”Lamps (Xenon)“ نصب تھے۔ جن کا رخ اوپر کی سمت سکھوں کے مورچوں کی طرف تھا جہاں سے بھارتی فوج پر فائر آرہا تھا۔

آنکھوں کو اندھا کر دینے والے ان لیمپوں سے دہرا فائدہ ہوا ایک تو اکال تخت پر مورچہ ان خالصتائی حریت پسندوں کے لئے اس طرف دیکھ کر نشانہ لگانا ممکن نہ رہا۔ لیمپوں کی تیر روشنیاں براہ راست ان پر پڑتی تھیں اور دوسری طرف ٹینکوں کے عقب میں اندر داخل ہونے والی بھارتی پیدل فوج کے لئے میدان صاف ہو گیا کہ وہ آسانی سے صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔

جب ”خالصہ فوج“ کے لئے اور کچھ ممکن نہ رہا تو 16 سال کی عمر کی ایک سکھ نوجوان نے اپنے جسم سے بارود باندھ کر اکال تخت کی طرف حرکت کرتے ایک ٹینک پر چھلانگ لگادی اور اس ”خود

لیکن.....!

بھارتی سوراؤں نے ہندکروں میں ہینڈ گرنیڈ اور زہریلی گیس کے بم پھینک پھینک کر ان کو یا تو کمروں ہی میں مار ڈالا یا پھر کمروں سے باہر آنے پر مجبور کر دیا جہاں انہیں بے دردی سے مار دیا گیا۔

بھارتی فوجی اپنی درندگی کی ایسی ایسی مثالیں یہاں قائم کر رہے تھے جنہیں لکھتے ہوئے قلم بھی ٹھرا جاتا ہے۔ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کی رپورٹوں کے مطابق یہاں موجود کھو جو ان اور کم عمر لڑکیوں سے اجتماعی زنا کاری کی گئی۔

سکولوں کی نو عمر بچیاں جو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے اپنے سکول کی نمائندگی کرنے یہاں آئی تھیں اور جن کی عمریں بمشکل 12 یا 14 سال تک تھیں کے ساتھ بھارتی فوجیوں نے اجتماعی آبروریزی کی اور انہیں اتنی اذیتیں پہنچائی گئیں کہ ان میں سے بہت سی بچیوں کی موت واقع ہو گئی۔

نو جوان لڑکیوں کو بھارتی فوجی کھینچتے ہوئے مذہبی مقامات کے قریب لے جاتے اور انہیں برہنہ کرنے کے بعد ان کی آبروریزی کی جاتی۔ ان میں سے بہت سی لڑکیوں کو نشانِ عبرت بنانے کے لئے زندہ چھوڑ دیا گیا جن کی کہانیاں آج تک عالمی ادارہ انصاف کی فائلوں میں رقم ہیں۔ کئی لڑکیاں اس بے رحمانہ سلوک سے اپنا جتنی توازن کھو بیٹھیں۔

جب بھارتی پولیس کی پہلی ٹیم دربار صاحب میں گئی تو اس نے یہاں بیشتر دیواروں سے خون اور گوشت کے ٹوٹھڑے چسپے دیکھے۔ بھارتی فوج نے تو اس کی کوئی اور توجیہ پیش کی ہوگی۔ لیکن.....!

بھارتی پولیس میں یہ بات متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے کہ دراصل یہ وہ نومولود بچے تھے جنہیں بھارتی فوجیوں نے ان کی ماؤں کی آبروریزی کرنے سے پہلے ان کی گود سے چھینا اور انہیں زمین پر پھینک کر اپنے بوٹ پر اس طرح زور سے اچھالتے کہ بچے گیند کی طرح دیوار سے ٹکراتے۔ کئی بچوں کو ان وحشیوں نے ہاتھوں سے پکڑ کر اس زور سے دیوار پر مارا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

یہاں جو گورکھا اور مرہٹہ فوجی داخل ہوئے انہوں نے سگریٹ سلگانے ہوئے تھے۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھے اور ہر غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکت کر رہے تھے۔ اتنا خون بہایا گیا کہ قدم اس میں دھستے تھے بعد میں کافی عرصہ تک بھارتی حکومت بے

تھی۔

انہوں نے انگریزی کی اس کہادت کو سچ ثابت کر دیا تھا کہ ”بزدل ظالم ہوتے ہیں“ صبح کا اجالا پھیل رہا تھا.....!!

بھارتی سوراؤں نے اس درمیان زہریلی گیس کے سینکڑوں بم پھینک کر ٹینکوں کی گولہ باری مار ڈال دی گولہ باری اور ایل ایم جی اور ایم ایم جی کے اندھاندہ فائر کی مدد سے دربار صاحب کے قریب 3 بنا حصے پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔

اپنے سینکڑوں فوجیوں کی بلی چڑھا کر اور اندھاندہ بمباری سے بھارتی فوج نے اکال تخت کو قریب زندہ کر دیا تھا لیکن 6 جون کی شام تک اکال تخت سے مزاحمت جاری رہی البتہ ”پر کرماں“ پر مکمل سکوت طاری تھا.....!!

یہاں اب بھارتی سوراؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی حریت پسند زندہ نہیں رہا تھا۔ بھارتی فوج نے اب ”پر کرماں“ کے مورچوں پر قبضہ جما لیا تھا جہاں دشمنوں سے سکتے سکھ حریت پسندوں کو اذیتیں دے دے کر مارا گیا۔

دربار صاحب کے جو مورچے ”گورو دام داس سرائے“ اور ”گورو ناتھ نواس“ کی طرف تھے وہ چونکہ براہ راست دشمن کے حملے کی زد میں تھے اور ان کھلمیہ ان میں خالصتاً سکھوں کے لئے بھارتی فوج کی تباہ کن گولہ باری کا مقابلہ ممکن نہیں تھا.....!!

5 جون کو رات گئے تک یہ لوگ مقابلے پڑے رہے پھر 6 جون کی درمیانی رات کو بچے کھچے اور زخمی ساتھیوں کے ساتھ گورو ناتھ نواس کے عقب میں ایک صف راستے سے مار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

جب بھارت کی ”فتح افواج“ یہاں پہنچیں اور کوئی زندہ یا زخمی حریت پسند ان کے ہاتھ نہ لگا تو ان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا.....!

بھارتی فوجیوں نے ان ”سراؤں“ میں پناہ لینے والے قریباً چھ ہزار سکھ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مردوں کی زہریلی گیس اور گولیوں سے موت کی نیند سلا کر حریت پسندوں کا بدلہ چکا دیا۔

☆☆☆

اپنے نہتے ہم مذہبوں کو بھارتی فوج کے ہاتھوں مرتے دیکھ کر ان مسافر خانوں میں پناہ گزین سکھ یا تریوں سکھ یا تریوں نے فوج سے اپنی جانیں بچانے کے لئے دروازوں کو اندر سے کنڈیاں لگاتا شروع کر دیں۔

ان کی پکڑیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کی ڈاڑھی مونچھیں کاٹنے کے بعد ہندو فوجیوں نے انہیں بے رحمی سے زدوکوب کیا۔ ان کی تعداد 20 تھی جن میں سے دو کی عمر 70 سال سے زائد تھی۔

یہ دونوں بوڑھے سیوا دار بھارتی فوجیوں کے اس بے رحمانہ تشدد کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور بالا آخر اپنی جان کی بازی ہار گئے۔

”آپریشن بلیو سٹار“ کے دوران بھارتی فوج نے جتنے بھی انسانی سوز جرائم کا ارتکاب کیا ان میں یہ دونوں جرائم ناقابل معافی تھے.....

ہیومن رائٹس کے بھارتی گروپوں نے اس سانحے پر جو رپورٹیں شائع کی ہیں ان میں دہلی نکسال کے بچوں اور ان بوڑھے خدمت گاروں کی ہلاکت پر بھارتی فوج کی طرف سے پیش کی گئی کسی بھی وضاحت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔

☆☆☆

آپریشن بلیو سٹار سے پہلے بھارتی حکام کی طرف سے گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کو جن دہشت گردوں کی لسٹ فراہم کی گئی تھی ان کی تعداد 30 تھی۔

بھارتی حکومت کا کہنا تھا کہ ان 30 دہشت گردوں نے دربار صاحب میں پناہ لے رکھی ہے جنہیں بھارتی حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔

مقام حیرت ہے کہ ان 30 دہشت گردوں کی گرفتاری یا تباہی کے لئے بھارتی فوج نے جب دربار صاحب پر حملہ کیا تو 8 ہزار عورتیں بوڑھوں، شیرخوار بچوں اور نو جوانوں کو بھی مار ڈالا.....!!

یوں تو حکومت کی طرف سے 45 دہشت گردوں کی لسٹ جاری کی گئی تھی لیکن ان میں 11 غیر ممالک میں فرار ہو چکے تھے۔ 4 وہ تھے جو اس سے پہلے ہی ”پولیس مقابلے“ میں مارے جا چکے تھے۔ اسی طرح محض 30 دہشت گردوں کو مارنے کے لئے بھارتی فوج نے 8 ہزار سکھوں کو مار ڈالا۔ سکھوں کا مذہبی تشخص تباہ کرنے کے لئے دربار صاحب میں موجود ”سکھ ریسرچ اینڈ ریفلیکس لائبریری“ کو بھارتی فوج نے نذر آتش کر دیا۔ جس میں سکھوں کا سارا مذہبی ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا تھا۔

اس تاریخی لائبریری کے نذر آتش ہونے سے جہاں سکھوں کا تاریخی مذہبی ریکارڈ جل کر راکھ ہوا وہاں ”گوردگرتھ صاحب“ سکھوں کی مذہبی کتاب کے 700 نسخے بھی جل کر راکھ ہو گئے۔

یہ کارنامے تو دربار صاحب کی دوسری سمت واقع عمارات یعنی ”گوردورام داس سرائے“

گناہوں کے خون کے نشانات مختلف کیمیکلز سے مٹائی رہی لیکن مکمل کامیابی سے کبھی اپنے جنگی جرائم کے نشان نہیں مٹا سکی۔

☆☆☆

یہاں بھارتی فوجوں نے صرف قتل و غارت گری پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے پروگرام پر عمل کرتے ہوئے سکھوں کی مذہبی اساس کو تباہ کرنے کے لئے ان کی مذہبی عمارات ”گوردورام داس“ ”جیسنگھ سمندری ہال“ کو آگ لگا دی اور یہاں پناہ گزین سینکڑوں بچے عورتیں اور مرد بھی اندر ہی ”کر خاک ہو گئے۔“

جن عورتوں یا بچوں نے اپنی جان بچانے کے لئے غسل خانوں اور ٹائلٹس کا رخ۔ ان پر گریڈ اور زہر لگایا، ان کے کتے تر پھینک دیے گئے.....

کئی عورتوں کی اشیاء، اند میں اس حالت میں ملیں کہ ان کی چھاتیاں نکلی تھیں اور بچے دودھ پیتے ہوئے اپنی ماؤں سے موت کی نذر سو گئے تھے۔

☆☆☆

بھارتی فوج نے ”دہلی نکسال“ 8 سے 12 سال کے درمیان سو بچوں کو یہاں اکٹھا کر کے ان کے ہاتھ باندھ کر انہیں قطار میں کھڑا کر دیا۔ چونکہ ”دہلی نکسال“ سکھوں کا سب سے بڑا مذہبی مدرس ہے اور سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ بھی اسی ”نکسال“ کے سربراہ تھے اس لئے ان بچوں کا گناہ بھارتی فوج کے لئے ناقابل معافی تھا.....!!

ان بچوں سے بھارتی فوجیوں نے پوچھا کہ اب بھی وہ خالصتاً پا جتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں انہوں نے اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق ”جنگی نذرہ“ جو بولے سو نہال..... سمت سری اکال“ بلند کیا۔

اس نعرے نے جلتی پرتیل کا کام کیا اور بھارتی فوجیوں نے ان تمام بچوں کو پہلے دلوں کے بٹ سے بے تحاشہ زدوکوب کیا جس کے بعد ان میں سے بیشتر کو گولی مار دی گئی۔ ”بہادری“ کی ایسی مثالیں شاید دنیا کی بہمیت کی تاریخ میں اور کہیں نہ مل سکیں جس کا مظاہرہ بھارتی فوج کے سورما کر رہے تھے.....!!

”بہادر بھارتی افواج“ نے لنگر کی خدمت پر مامور بابا کھڑک سنگھ کے سیوا داروں کو بھی نہیں بخشا جن کا گناہ یہ تھا کہ وہ گزشتہ پندرہ بیس سال سے یہاں آنے والے ہر مذہب کے باشندے کو کھانے کی سہولت بہم پہنچا رہے تھے۔

بھارتی سوراڑوں کو ان کے ساتھیوں کی موت نے پاگل کر دیا تھا۔ انہوں نے جوش انتقام میں اعدے ہو کر جہاں 8 ہزار سکھ یا تریوں کو دربار صاحب کے اندر مار ڈالا وہاں ایک اور کارنامہ بھی انجام دیا اور شراب کے نشے میں دھت، آتش انتقام میں جلتے فوجی امرتسر میں پھیل گئے۔

ہر وہ سکھ نوجوان جس نے کالی، نیلی اور پیلی پگڑی پہن رکھی تھی ان کا نشانہ بن گیا۔ 8 جون کی صبح تک امرتسر اور اس کے گرد و نواح میں بھارتی فوج کے ہاتھوں 12 ہزار سکھ مارے جا چکے تھے۔ ان میں وہ 8 ہزار شامل نہیں ہیں جنہیں بھارتی فوج نے دربار صاحب کے اندر مار ڈالا تھا۔

بھارتی فوج کے ٹرکوں، ٹرالوں میں ان لاشوں کو لا کر نامعلوم جگہ لے جایا جاتا جہاں ان پر کیروسین آئل، ڈیزل اور پٹرول چھڑک کر انہیں نذر آتش کر دیا جاتا۔ کسی بھی مرنے والے کے لواحقین کو اس کی مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔

کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔!!

کسی کو اپنے مرنے والے پیارے کا آخری دیدار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

☆☆☆

گورونک نواس اور سکھ ریسرچ اینڈ ریلیف ٹرسٹ لائبریری میں انجام پائے جہاں مزاحمت 6 جون کی صبح تک دم توڑ گئی تھی اور اس طرف مورچہ بند سکھ حریت پسند جن میں زیادہ تعداد میں ”بہر خالہ“ کے سکھ شامل تھے جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

☆☆☆

اکال تخت پر بھارتی فوج 7 جون کی صبح تک قبضہ نہیں کر سکی۔!!

بھارتی فوجیوں کو اب اپنے زہریلے بموں پر بھی اعتماد نہیں رہا تھا۔ انہوں نے 6 جون کی صبح اپنے ساتھیوں کا جوشر ”پر کر ماں اور کال تخت“ پر دیکھا تھا اس کے بعد وہ اکال تخت کے نزدیک اس وقت تک جانے کے لئے تیار نہیں تھے جب تک کہ انہیں یقین نہ ہو جاتا کہ یہاں ایک بھی زندہ سکھ موجود نہیں ہے۔!!

7 جون کو اکال تخت مکمل سمار ہو چکا تھا۔!!

اس طرف سے بھارتی سوراڑوں کو جواب دینے والا اب کوئی سکھ زندہ نہیں بچا تھا۔ 7 جون کی دوپہر کو اپنے اعلیٰ افسران کے سامنے اس پر ”آخر بھارتی فوجی اکال تخت کی بڑھے اور اجب انہوں نے یہاں کا منظر دیکھا تو ضرور اپنے گپیادوں میں منڈال لیا ہوگا۔

یہاں 40 سکھوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

ان میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈراوالہ، جرنیل شیک سنگھ اور بھائی امریک سنگھ بھی شامل تھے۔!!

بھارتیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان 40 سکھوں نے ان کا یہ جوشر کیا ہوگا اور انہیں اتنی زیادہ ذلت اٹھانے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی ہوگی۔

یہاں موجود تین لاشوں کے علاوہ باقی تمام لاشوں کو بھارتی فوج نے ایک میدان میں رکھ کر نذر آتش کیا۔

سنت جرنیل سنگھ، جرنیل شوبیک سنگھ اور بھائی امریک سنگھ کی لاشیں ان کے دربار کو اس حکم کے ساتھ سوپی گئیں کہ چپ چاپ ان کا ”اتم سنسکار“ کر دیا جائے۔

اس ایریا میں مرنے والے ہندو فوجیوں کی تعداد 2 ہزار تھی۔ جن میں سے بیشتر فوجی وہ تھے جو 5 اور 6 جون کی اورمیانی رات کو اعدہ ہیرے میں اپنے ہی ساتھیوں کو گولیوں کا نشانہ بنے۔

دنیا کی کوئی بھی بہادر فوج ہوتی تو ان 40 حریت پسندوں کو سیلوٹ کرتی۔

لیکن۔۔۔۔۔

سکھ بچوں اور بڑوں کا قتل عام شروع کر دیا.....!!
 نوجوان لڑکیوں کے ساتھ اجتماعی درندگی کا مظاہرہ ان کے لواحقین کے سامنے ہونے لگا.....
 اگر کسی نے غیرت کا مظاہرہ کیا تو بھارتی فوجیوں نے اسے موقع پر اس غیرت کی سزا دے ڈالی اور
 اذیتیں دے دے کر موت کی گہری نیند سلا دیا۔

☆☆☆

اس گوردوارے کے مختلف حصوں سے ہندو فوجیوں نے 13 سکھ نوجوانوں کو جنہوں نے پہلے
 رنگ کی چڑیاں پہن رکھی تھیں ایک طرف کھڑے کر کے ان کی چڑیوں کے ساتھ ان کے ہاتھ اور
 پاؤں باندھ کر ان کے بال کھول کر ان کے حلقوم پر تل دے کر کس دیئے اس کے بعد انہیں پیٹ کے
 بل زمین پر گرادیا گیا.....!!

اب ایک ایک نوجوان کی گردن پر جس کا منہ فرش سے لگا تھا۔ بھارتی فوجیوں نے اپنے بوٹ
 جمادیئے وہ ہر ایک سکھ سے کہتے۔

”اگر تمہیں خالصتان چاہئے تو وہاں بھیج دیں؟“

پہلے تو بے بس اور بندھے ہوئے سکھوں نے خاموشی اختیار کی۔ جب ہندو فوجیوں نے
 انہیں گالیاں دینی شروع کیں تو ان میں سے ایک نوجوان نے اپنا جنگی نعرہ
 ”بوے سونہال ست سری کال۔“ بلند کیا۔

اس کی تقلید باقی نوجوانوں نے کی اور ہندو فوجیوں کی آتش انتقام بھڑکنے لگی۔

انہوں نے اس حالت میں لیڈے سکھ نوجوانوں پر گولیوں کا مینہ برسا دیا اور ان کے خون سے
 ہولی کھیلنے لگے۔

یہ کہانی شاید مہذب دنیا کے علم میں کبھی نہ آتی۔

لیکن.....!

مارنے والے سے بچانے والا بہر حال زیادہ طاقتور اور با اختیار ہے.....

13 سال کا ایک سکھ نوجوان بیر سنگھ جو گوردوارے کے ایک تاریک کونے میں چھپا ہوا تھا۔
 سارا خون منظر دیکھتا رہا۔ جب بھارتی فوجی اپنا کام مکمل کر کے چلے گئے تو وہ کسی نہ کسی طرح اپنے
 گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ کہانی بیر سنگھ کے ذریعے ہیومن رائٹس کمیشن کے علم میں آئی۔

☆☆☆

آپریشن بلیو سٹار صرف دربار صاحب تک محدود نہیں تھا.....!!

دربار صاحب کے علاوہ بہت سے دوسرے گوردواروں کو بھی نشانہ بنایا گیا جن میں ایک بڑا
 ”نئی گوردوارہ پٹیالہ کا“ گوردوارہ دکھنوارن تھا.....!!

اس گوردوارے کو بھارتی فوج نے تین جون کی رات کو گھیرے میں لے لیا..... کیونکہ 3 جون
 کو یہاں سکھ ماتری اپنے گوردوارہ جن دیو کی برسی منانے کے لئے جمع ہو چکے تھے۔

جون کی بلا کی گرمی میں سکھ یاتریوں کی زیادہ تعداد گوردوارے کے کھلے صحن میں تھی یا پھر اس
 کے مقدس تالاب میں نہ ہی تھی کہ اس کا ان پر آتش و آہن کی بارش ہونے لگی۔

اس بات کا علم تو انہیں تھا۔ لیکن کوفوج کے حوالے کر دیا گیا ہے اور اب کسی بھی لمحے فوج
 دربار صاحب میں داخل ہو کر وہاں موجود کھتریت پسندوں کو مار ڈالے گی۔

لیکن.....

یہ تو کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھارتی فوج ایسی ہی درندگی کا مظاہرہ دوسرے بہت سے
 گوردواروں میں بھی کرے گی۔

2 جون کی مسز اندر گاندھی کی تقریر نے پٹیالہ کے عوام کو جہاں بگڑیس کا خاص اثر و رسوخ تھا
 اس بات کا یقین دلادیا تھا کہ ان کی بھارت ماتا کی فوج ان کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں اٹھائے
 گی۔

لیکن.....

اجتہاد کی جنت میں رہنے والے سکھ 37 سال تک براہمن کی آمریت کا مزہ چکے کے بعد بھی
 اس سے متعلق غلط فہمی کا شکار تھے.....

جب اچانک ان پر ایل ایم جی ایل ایم جی اور ایس ایل آر کا فائر گرا تو انہوں نے بھاگ کر
 گوردوارے ہی میں پناہ گاہ ڈھونڈنا چاہی..... اس درمیان کھلے میدان اور تالاب میں نہانے والے

اپنے ہی خون میں نہا گئے۔

4 جون کی صبح بھارتی فوج گوردوارے میں داخل ہو گئی اور اس نے یہاں مختلف کونوں میں چھپے

ان تینوں کو بھارتی فوجیوں نے بے بس ہٹوں کی طرح گولیاں مار کر ہلاک کر دیا اور ان کا خون اب ”پر کرماں“ سے پانی کے تالاب (سردو) میں گرنے لگا۔

”پانی ضرور ملے گا..... لیکن اس کے لئے خالصتان کی سیر کرنی پڑے گی“

مرہٹہ حوالدار نے جو شراب کے نشے میں دھت تھا اپنی بندوق کو دوبارہ کندھے پر لٹکاتے ہوئے زمین بوس سکھوں کو ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دیوانہ وار قہقہے بلند کرنے لگے۔

11 بجے دن سے 6 بجے شام تک وہ ایسے ہی حیلے بہانوں سے قصائیوں کی طرح سکھوں کو تڑپا تڑپا کر مارتے رہے۔

اس درمیان زمین بوس سکھ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ اب فوجی انہیں مردہ جانوروں کی طرح ٹانگ سے گھسیٹتے ہوئے ٹراٹک لاتے اور اس میں پھینک دیتے۔

آج تک اس بات کا علم نہیں کہ ”مکسٹر“ گوردوارہ کے یہ سکھ کہاں ہیں؟

اس ضمن میں دو مفروضات قائم کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک یقیناً صحیح ہوگا کیونکہ تیسرا کوئی نظریہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔

یا تو انہیں نیم مردہ حالت میں زندہ بندر آتش کر دیا گیا ہے؟

یا آج تک وہ کسی گمنام عقوبت خانے میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں؟

کیونکہ اس کے بعد ان کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آیا اور ان کے لواحقین کی طرف سے ملک کی تمام عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانے کے بعد بھی ان بدقسمتوں کی شنوائی نہیں ہو سکی۔

بابا سنت ہرنس سنگھ جو دہلی کے گوردوارے کا سفیر تھا یہاں صرف ”کارسیوا“ کے لئے اپنے ”پیر وکاروں“ کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ واضح ہدایات کے باوجود فوجیوں نے اس کے پیر وکاروں کو بری طرح زد و کوب کیا اور بیشتر کی ڈاڑھیوں کو مچس کی تیلیوں سے جلاتے رہے.....!!

ایک ماہ تک مکسٹر شہر اور گوردوارہ فوج کے گھیرے میں رہا اور یہاں کر فیو کا عالم طاری رہتا تھا۔ اس درمیان بھارتی فوجیوں نے کسی بچے عورت بوڑھے پر رحم نہیں کھایا۔

وہ روز نہ اپنے شکار پر نکلے اور زخموں سے چور بے ہوش اور مردہ سکھوں کو ایک ہی ٹراٹریاڑلی میں لا کر شہر سے باہر کسی نامعلوم مقام پر لے جاتے اور ان زخمی اور مردہ سکھوں کو ایک ہی جگہ پھینک کر ان پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتے.....!!

ایک ماہ تک بھارتی فوجی اپنے جرائم کے نشانات مٹاتے رہے اور جب انہوں نے

”مکسٹر“ بھارتی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی ایک تحصیل ہے اور یہاں سکھوں کا ایک تاریخی گوردوارہ موجود ہے۔ 1704ء میں مغل فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے جانے والے سکھوں سے منسوب ہے۔

3 جون کو مکسٹر شہر کو ایک آرٹلری ڈویژن نے گھیرے میں لے لیا۔ 3 جون کی شام کو گوردوارے پر بمباری کا آغاز ہوا اور یہاں بھی وہی خونی ڈرامہ کھیلا گیا جس کے بعد 4 جون کی صبح بھارتی انفنٹری گوردوارے میں داخل ہو گئی۔

انہوں نے بچے کھجے اور کونوں کھدروں میں چھپے سکھوں میں سے گوردوارے کے گرنہی اور اس کے جوان ساتھیوں کو باہر نکالا اور ان کے کپڑے اتار کر ان کی پیڑیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔

4 جون دوپہر 12 بجے جب یہاں درجہ حرارت 47 ڈگری سنٹی گریڈ تک تھا اور سنگ مرمر کے فرش پر ایک منٹ کے لئے تنگے باؤں کھڑے ہونا ناممکن تھا۔ بھارتی فوجیوں نے انہیں منہ کے بل زمین پر لٹا کر ان کی کمر پر کھڑے ہو کر انہیں لیاں دینا شروع کیں۔

ان گرنہیوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی ناک سے حرکت نہ کریں۔

جب بھی جلتے سنگ مرمر کی تپش سے یہ قرار نہ کر سکیں کہ کوئی مطلب معمولی سی جنبش کرنا بھارتی فوجی اسے بٹوں سے مارنا شروع کر دیتے.....!!

انہوں نے ان بے گناہوں کو اسی طرح دھوپ میں سٹہ مر کے فرش پر تنگے لٹائے رکھا اور گوردوارے کے لنگر خانے میں سوکھا گوشت پکانے لگے۔ یہ کھانا انہوں نے پھر ان کے سامنے کھانا شروع کیا.....!!

یاد رہے کہ سکھ اپنے گوردوارے میں مگریت اور گوشت لے جانا حرام خیال کرتے ہیں۔ کسی بدقسمت سکھ نے ان کے اس اقدام پر ہلکا سا احتجاج کیا تو بھارتی فوجیوں نے اسے گولی مار دی۔

سہ پہر 3 بجے دھوپ کی تپش سے سلگتے اور پیاس سے مابی بے آب کی طرح تڑپتے ان سکھوں کو حکم ملا کہ وہ اس طرح پیٹ کے بل ریگتے ہوئے تالاب کے کنارے تک جائیں اور دھوپ کی تپش سے کھولتا ہوا پانی زبان سے چائیں.....!!

پیاس سے بے حال تین چار نوجوان جب دیوانہ وار اس طرح گھسیٹے ہوئے تالاب کے کنارے تک پہنچے اور انہوں نے اپنی زبانیں کھولتے پانی سے لگائیں تو تڑپ کر پیچھے ہٹ گئے..... لیکن.....

27 مئی کے بعد سے آپریشن بلیو سٹار کے آغاز تک 50 ہزار کے لگ بھگ سکھ نوجوانوں کو پنجاب اور ہریانہ کے مختلف علاقوں سے گرفتار کر کے غائب کر دیا گیا.....!! ان میں سے بے شمار ایسے تھے جو پھر کبھی لوٹ کر واپس نہ آئے۔

یہ سلسلہ آج تک جاری ہے.....!!

آج بھی پنجاب میں پولیس یا فوج کے لئے کسی بھی شخص کو معمولی شک کی بنا پر اغوا کر لیتا، تشدد کرنا یا جان سے مار ڈالنا کوئی اچھے کی بات نہیں سمجھی جاتی۔

☆☆☆

”سڈے آبز روز“ کی امرتا ابراہام وہ پہلی خاتون صحافی تھی جس نے اس سانحے کے بعد اگست کے اوائل میں جب فوج نے اپنے جرائم کے نشانات تقریباً مندا دیئے تھے پنجاب کا پانچ روز خفیہ دورہ بھیس بدل کر کیا تھا۔

15 اگست 1984ء کے سڈے آبز روز میں اس نے لکھا:

پنجاب کے دیہات کا سرخ فوج نے اغوا کر لیا۔ ان سرنبجوں کو خصوصی ٹیوں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سختی سے پوچھ گچھ کی گئی کہ ان کے علاقے میں کون کون سے نوجوان مشتبہ ہیں؟ سرنبجوں نے اپنی جان بچانے کے لئے جہاں نہ چاہتے ہوئے نوجوانوں کے نام لکھوائے وہاں اپنی ذاتی دشمنیوں کا بدلہ بھی اس چکر میں چکا دیا اور کئی بے گناہوں کو مار چرسیلوں کی سیر کر دادی۔

فوج اور پولیس کے دستے نوجوانوں کو ان کے گھروں سے گرفتار کر کے پکی سڑک پر لے آتے جہاں ان کے کپڑے اتروا کر انہیں پتی سڑکوں پر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر لٹا دیا جاتا ہے۔ انہیں ننگے پاؤں دھوپ میں چلتی سڑکوں پر بھاگنے پر مجبور کیا جاتا جس کے بعد مار چرسیلوں میں پہنچا دیا جاتا جہاں ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا.....!!

ان میں سینکڑوں وہ نوجوان تھے جو انتہائی کم عمری میں بھارتی فوجیوں کے جیسی تشدد کی بھیشت چڑھ گئے اور انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے.....!!

اس بہیمانہ اور انسانی سوز جرم کا سب سے زیادہ قابل نفرت اور اذیتناک پہلو یہ تھا کہ مرنے والوں کے لواحقین کو ان کے پیاروں کی موت سے بے خبر رکھا جاتا تھا۔

پنجاب میں مارشل لا کا دور دورہ تھا۔ ان لواحقین کے لئے کوئی ایسا راستہ نہیں تھا کہ وہ کم از کم اپنے پیاروں کی موت کی تصدیق ہی کر سکتے۔ سب کچھ شاید اس لئے کیا جا رہا تھا کہ ان جرائم کا

گوردوارے سے خون کے تمام دھبے صاف کروا دیئے اور اس کی دوبارہ مرمت ہوگئی اس کے بعد عام سکھوں کی تلاشی لینے کے بعد یہاں عبادت کرنے کی اجازت دی گئی۔

☆☆☆

انسانیت کو شرمادینے والے ان بھیاں تک جرائم کا ارتکاب بھارتی فوج نے صرف اپنی ”تفنی طبع“ کے لئے نہیں کیا تھا..... بلکہ انہیں خاص طور پر یہ ہدایات دی گئی تھیں۔ جن پر انہوں نے اپنی حکومت کی توقعات پر پورا اترتے ہوئے کسی بھی ملک کے وفادار فوجیوں کی طرح عمل کیا.....

ایسی ہی کہانیاں پنجاب کے ہر قابل ذکر گوردوارے میں دھرائی گئیں.....!! سوائے ان ”کالی دل“ کے سرکردہ راہنماؤں کے جن کو حکومت کسی اچھے وقت کے لئے بچا کر رکھنا چاہتی تھی اور کسی سکھ کو معاف نہیں کیا گیا.....!!

1947ء ہندو کی سازش کا شکار ہو کر سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا اس سے ہزار گنا زیادہ بھیاں تک سرانہیں ان کے آقاؤں کی طرف سے 1984ء میں مل گئی..... لیکن.....

ابھی مکانات عمل کا سلسلہ نہیں ہوا تھا.....!! اس کے بعد پھر مسز اندرا گاندھی کے قتل کی طرح سکھوں کے خون سے سرکاری سرپرستی میں ہولی کھیلی گئی وہ انسانیت کی تاریخ کا ناقابل فراموش اور المناک باب ہے۔

☆☆☆

مرکزی حکومت کی طرف سے پی اے پی (پنجاب آرمرڈ پولیس) بی ایف (بارڈر سیورٹی فورسز) اور سی آر پی ایف (سنٹرل ریزرو پولیس فورس) کو واضح احکام جاری ہوئے تھے کہ جیسے ہی آپریشن بلیو سٹار پر عمل درآمد شروع ہو وہ دیہاتوں میں گھس جائیں اور زیادہ تعداد میں نوجوان سکھوں خصوصاً طلباء کو گرفتار کر کے اپنی خراست میں لے لیں تاکہ یہ لوگ اس طرف نہ جا سکیں اور نہ ہی انہیں دربار صاحب پہنچنے کا موقع ملے.....

اس حکم پر 27 مئی 1984ء سے بھارتی پیرامیٹری فورسز نے عمل کرنا شروع کر دیا تھا انہوں نے اس دوران ہزاروں سکھ نوجوانوں کو گروپوں کو شکل میں گرفتار کر کے جیلوں میں بند کرنا شروع کر دیا جنہیں پھر 1985ء کے آخر میں جیلوں سے رہائی نصیب ہوئی تھی۔

ان میں سینکڑوں وہ بد قسمت بھی ہیں جو آج تک اپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹے اور ان کی ماؤں کی آنکھیں اپنے جگر گوشوں کے انتظار میں پتھر اچکی ہیں۔

اور یہ جنگ بڑی تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے کبھی اس کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے کبھی اس کی حدت کم پڑنے لگتی ہے.....!

آپریشن بلیو سٹار انسانیت کے منہ پر ایسا بھرپور طمانچہ ہے جس کی مثال نہ گزشتہ ادوار میں نظر آتی ہے اور نہ آنے والی صدیوں میں شاید کوئی انسان نما بھیڑیا وحشت اور درندگی کی روایت کو دہرانے کی جرأت کر سکے گا۔

☆☆☆

کوئی ثبوت باقی نہ رہے اور بھارتی فوج کے گناہوں کی پردہ پوشی کی جاسکے۔
لیکن.....!

آج کی مہذب دنیا میں یہ ممکن نہیں رہا کہ دنیا کی کسی فوج کے جرائم ہمیشہ کے لئے چھپے رہیں.....!

ظلم کی ہر وہ روایت جو انسانی تاریخ کے کسی دور میں موجود رہی ہوگی زندہ کی گئی۔

زندہ انسانوں کی آگ میں جلایا گیا.....!!

عورتوں اور کم عمر نو جوانوں کو جنسی تشدد کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

ایک ماہ تک پنجاب ”رومن اکھاڑہ“ بنا رہا!

درندگی اور بھیمیت کا گانا ناچ جاری رہا!

لیکن.....!

عالمی پریس ”ٹریپسٹل ریڈ کراس“ ہیومن رائٹس یا کسی بھی غیر ملکی وفد کو پنجاب میں داخلے کی اجازت اس وقت تک نہیں مل سکی جب تک کہ وہاں سے بھارتی فوج نے اپنے جرائم کے تمام نشانات مٹائیں ڈالے.....

اب کہانیاں باقی رہ گئی تھیں.....!

کہانیاں جنہیں بھارتی حکومت نے جھٹلانے کی برکن کوشش کی لیکن جواتی ہی سچی ہیں جتنی بھارتی حکمرانوں کی درندگی.....!!

6 جون 1984ء کو طاقت اور اقتدار کے نشے میں دھست بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے دربار صاحب میں فوج داخل کر کے شاید اپنی دانست میں ”کے سٹے“ کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔

لیکن.....!

اس کی توقعات کے برعکس اس کا نتیجہ بڑا بھیانک نکلا نہ صرف مسز اندرا گاندھی بلکہ اس آپریشن کے قریباً ہر متحرک کردار کرکھوں نے مار ڈالا.....

چھپ کر نہیں.....

اعلان کر کے مار ڈالا۔

اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے.....

پنجاب کے سکھ اور بھارتی حکمرانوں کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہے

29 ستمبر 1981ء کو دل خالصہ کے صدر سردار بگندر سنگھ نے جو پنجابی کے سکالر اور شاعر بھی ہیں اور اپنی انقلابی جدوجہد کے حوالے سے ایک خاص مقام کے حامل رہے ہیں سکھوں پر ہونے والے عالم کی داستان دنیا کے سامنے لانے کے لئے اپنے چار ساتھیوں کی مدد سے بھارتی ایئر لائن کا ایک جہاز اٹوا کیا اور اسے لاہور کے ہوائی اڈے پر اترنے پر مجبور کر دیا۔

یہ لحاظ سے دنیا کا انوکھا انوکھا تھا کہ جہاز کے انگوٹھے کے لئے کوئی باقاعدہ اسلحہ استعمال نہیں کیا گیا۔ سکھوں نے صرف کپالوں کی مدد سے جہاز کو اٹوا کیا اس میں سوار مسافروں کو ایک لمحے کے لئے بھی اس بات کا احساس نہ ہونے دیا کہ انکا پالا دہشت گردوں یا انگوٹھ کاروں سے پڑا ہے۔ ان کے ساتھ ”مثالی برتاؤ“ کیا اور لاہور کے ہوائی اڈے پر جہاز اتارنے کے بعد خود کا حکام کے حوالے کر دیا۔ انہیں بعد میں عمر قید کی سزا ہوئی۔ بی حد مل جل ہونے کے بعد وہ رہا ہو کہ پاکستان سے جا چکے ہیں لیکن ابھی تک آزاد خالصتان کے لئے ان کی جدوجہد جاری ہے۔

سردار بگندر سنگھ اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلا اور سردار بگندر سنگھ کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ انہوں نے لاہور کی خصوصی عدالت میں جو بیان ریکارڈ کروایا وہ تاریخی حقائق کا حامل ہے اور آپریشن بلیو شمار کئے جاتے ہیں بے حد مددگار ہے۔ سردار بگندر سنگھ کا بیان پیش خدمت ہے۔

آج جب کہ میں ساڑھے تین سال سے زیادہ عرصہ جیل کی اونچی دیواروں اور لوہے کی سلاخوں اور اور الگ الگ نمبر کے تالوں کے پیچھے قید رہنے کے بعد اس عدالت کے کمرے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا ہوں تو کئی نظریں مجھ پر جمی ہیں کسی کے لئے میں مجرم ہوں کسی کے لئے میں ہیرو کسی کے لئے غدار ہوں کسی کے لئے قوم پرست کسی کے لئے انتہا پسند اور کسی کے لئے حریت پسند ہوں۔ آخر میں کیا ہوں؟ شاید اسی بات کا فیصلہ اس معزز عدالت نے کرنا ہے۔

میرے عدالت کے کٹہرے تک پہنچنے سے پہلے ایک لمبی کہانی ہے۔ میری قوم کی بد نصیبی کی کہانی۔ میری قوم کے نا اہل کم عقل اور غدار لیڈروں کی کہانی، ہندوؤں کی طرف سے کئے گئے دشواش گھات (دھوکے) کی کہانی۔ میری قوم پر ہوئے ظلم و تشدد کی کہانی اور میری قوم کے بہتے ہوئے پوتر خون کی کہانی۔

ایک وہ وقت بھی تھا جب ہم بھی دنیا کی آزاد قوموں میں سر اٹھا کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس برصغیر پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے ساتھ ہی ہماری آزادی کا سورج بھی غروب ہو گیا پھر اس برصغیر کی باقی قوموں کے ساتھ ہم نے بھی مل کر جنگ آزادی میں حصہ لیا اور اپنے آبادی کی نسبت کہیں زیادہ قربانیاں دیں۔

1947ء سے پہلے جب کبھی برصغیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے انگریز سرکار نے کوئی بات کی تو ہندو مسلمان اور سکھوں کے نمائندوں کو طلب کیا جاتا تھا۔ ان اقوام کو برصغیر کے مالک جانتے ہوئے ہی تمام فیصلے ہوتے رہے۔ ہندوؤں کی نمائندگی دھرم نرپکھٹا (سیکولرزم) کی آڑ میں کانگریس کر رہی تھی۔ جو برصغیر کی سب سے بڑی جماعت اور اس کے تمام معاملات کا خود کو ٹھیکیدار کہلانے کی دعویدار تھی۔

مسلمانوں کی نمائندگی مسلم لیگ کر رہی تھی۔ جس کے لیڈر مسلمانوں کے لئے علیحدہ ”ہوم لینڈ“ کا مطالبہ کر کے اسی سمت پیش رفت کر رہے تھے۔ سکھوں کی نمائندگی اکالی دل کر رہی تھی جس کے لیڈر سیاسی بصیرت سے عاری اور سکھ قوم کی خواہشات کے بالکل برعکس آپس کی خلفشار کا شکار ہو چکے تھے۔

14 اگست 1947ء آن پینچا۔ مسلم لیگ نے قائد اعظم کی لیڈر شپ میں برصغیر میں علیحدہ مملکت پاکستان حاصل کر لی اور کانگریس نے برصغیر کے باقی حصے پر دھرم نرپکھٹا کی آڑ میں قابض ہو کر اسے ہندوستان کا نام دیا اور اس پر ہندو کی بالادستی قائم کر دی۔ اکالی دل جو سکھوں کی نمائندگی کر رہی تھی کے ہاتھ کانگریس کے جھوٹے وعدوں اور دشواش گھات (دھوکے) کے سوا اور کچھ نہ آیا۔ کانگریس کی ہندو لیڈر شپ کی طرف سے اکالی دل کے ساتھ کئے گئے وعدے اور دیئے گئے دھوکے کیا تھے آئیے اس پر ایک نظر ڈالیں۔

☆☆☆

26/27 دسمبر 1929ء لاہور کانگریس مشن نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے سکھوں سے وعدہ کیا گیا کہ ہندوستان کی آزادی کے فوراً بعد سکھوں کے حقوق کی مکمل رکھوالی کی جائے گی اور آزاد ہندوستان میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو سکھوں کو نا منظور ہو۔ کانگریس کے مختلف لیڈر 1947ء تک بار بار اس وعدے پر عمل کرنے کی یقین دہانی اپنے بیانات کے ذریعے کرواتے رہے۔

6 جولائی 1946ء کو پنڈت نہرو نے سکھوں کے ساتھ کئے گئے وعدوں کا اعلان کرتے ہوئے

کہا:

”پنجاب کے سکھ خصوصی سلوک (ہمدردی) کے مستحق ہیں۔ مجھے اس بات میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی اگر ہندوستان کے شمال مغرب (اتر پنجتم) میں ایک ایسا آزاد خطہ سکھوں کو دے دیا جائے جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔“

یہ تھے وعدے اور دھوکے جن پر یقین کرتے ہوئے سکھوں کے لیڈروں نے اپنی قوم کا مستقبل ہندو کے ہاتھ میں دے دیا اور یوں 15 اگست 1947 کے بعد میری بد قسمت قوم کی غلامی کا دور شروع ہو گیا۔

سب میں اپنی قوم کے لیڈروں کی کم عقلی اور نااہلی کا رونا روتا ہوں تو اس کے پس پردہ کچھ محرکات ہیں جن میں سے ایک دو کا بیان ضروری ہے۔ یہ ذکر ایک ملاقات کا ہے۔ جو کچھ اس طرح ہے۔ پٹیل ریاست کے سابق پردھان منتری ہری دت سنگھ کی طرف سے قائد اعظم محمد علی جناح اور سکھ لیڈروں کے درمیان ہوئی ایک ملاقات کا ذکر جس میں وہ خود بھی شامل تھے۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے بتایا ہے۔ یہ ملاقات 4 دسمبر 1947ء میں روڈ دہلی میں ہوئی۔ مسلم لیگ کے سربراہ قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ اس ملاقات کا اہل کاروں کے سربراہ ماسٹر تارا سنگھ جی گیانی کرتار سنگھ جی مہاراجہ پٹیل اور ان کے پردھان منتری ہری دت سنگھ شامل تھے۔

سکھ عوام 1947ء سے پہلے ہی اپنے لیڈروں سے اپنے مستقبل کی دوسری پارٹیوں سے ضمانت حاصل کرنے کی توقع کر رہے تھے۔ ہری دت سنگھ بتاتے ہیں کہ اس وقت میں قائد اعظم نے سکھوں کے لئے اتنی فراخ دلی کا ماہرہ کیا کہ مینگ میں موجود تمام سکھ لیڈر اس سے جواب ہو کر رہ گئے۔ مسلم لیگ کی لیڈر شپ کے اس فراخ دلانہ سلوک کے باوجود کانگریس کے اہل کاروں میں بھلوانی ہوئی سکھ لیڈر شپ مسلم لیگ کے ساتھ کسی فارمولے یا سمجھوتے پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ سکھ دانشور سردار کپور سنگھ جی اپنی کتاب ”سچی ساکھی“ میں لکھتے ہیں کہ 1947ء سے پہلے قائد اعظم نے سکھ نوجوانوں کے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا۔

”سکھوں نے ہندو کو غلام دیکھا ہے وہ نہیں جانتے آزادی حاصل کرتے ہی یہ کتنا خطرہ ناک ہو جائے گا۔“

قائد اعظم کے ان الفاظ کی حقیقت 1947ء کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو گئی تھی۔ کاش! سکھ قوم

ان الفاظ کے مطلب پر پہلے غور کیا ہوتا تو یقیناً میں آج عدالت کے اس کٹہرے میں نہ کھڑا ہوتا۔ سکھ قوم نے برصغیر میں انگریزوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریک آزادی میں اپنی آبادی کے تناسب سے کہیں بڑھ کر قربانیاں دی ہیں جن کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

سکھ	کل	مزا
2187	2664	عمر قید (کالے پانی کی سزا)
799	1302	جلانوالہ باغ کا سانحہ
93	121	پھانسی چڑھے
		بجوبوگھاٹ (کلکتہ) گولیوں
67	نامعلوم	سے مارے گئے۔
91	نامعلوم	ملیر کوئلہ توپوں سے اڑائے گئے
160	نامعلوم	ہیرا کالی لہر کے شہید
887		گوردوارہ سدھار کے لہر کے شہید
21587		قید اور کڑیاں

☆☆☆

اس جنگی سنگھرش اور بے شمار قربانیوں کے باوجود کالی لیڈر شپ سکھ قوم کے لئے محفوظ مستقبل اور آبرو مند آزادی سے زندگی گزارنے کے مواقع بھی حاصل نہ کر سکی۔ سکھ لیڈر شپ کے غلط فیصلے کی وجہ سے سکھوں کی کل تعداد کے 40% کے گھریار اڑ گئے اور انہیں ہجرت کر کے آنا پڑا اور بربادی ان کا مقدر بنی۔

مسلمانوں کے اٹھائے گئے نقصان کے بدلے پاکستان کے حصول اور آزادی کی خوشی پر تسلی حاصل تھی۔ جبکہ سکھوں کے پاس اٹھائے گئے نقصان کے بدلے دکھ اور بچھتاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

1947ء کی آزادی کے فوراً بعد ہندو قوم نے آزادی اور طاقت کے گھمنڈ میں چور ہو کر سکھوں سے غلاموں والا سلوک شروع کر دیا۔ جس کی کچھ مثالیں حاضر ہیں۔

1948ء ہی میں پوربی پنجاب کی حکومت نے بڑی کرپان پر پابند لگا دی۔ جو سکھ قوم کے دھرم اور عظیم روایات (سمبھیا چارک اتے ورش) کا حصہ ہے اور ہر سکھ خاندان کی عزت سمجھی جاتی ہے۔ یہ

سکھ قوم کے مذہبی جذبات کو بھیس پہنچانے کی کھلی حرکت تھی جس کا اکالی دل نے نوٹس لیا اور یہ پابندی واپس لے لی گئی۔

1948ء میں پنجاب کے گورنر چندو لال ترویدی کی طرف سے ایک سرکاری سرکلر جاری کر کے سکھ قوم کو جرائم پیشہ قرار دیا گیا۔ جب اکالی دل کو علم ہوا تو اس کی طرف سے زبردست احتجاج کے بعد یہ سرکلر واپس لیا گیا۔

یہ دونوں گھنٹائیں بھارت کی نئی سرکار کی ”کوئی دفتری غلطیاں (Clerical Mistakes)“ نہیں تھیں بلکہ سکھ قوم کے متعلق ان کی سوچ اور ذہنیت کی عکاس تھیں۔

26 جون 1951ء کو ہندوستان میں جو قانون نافذ کیا گیا وہ کانگریس کی ہندو قیادت کی طرف 1947ء سے قبل کئے گئے وعدوں کے برعکس تھا۔ اس قانون کی رو سے سکھوں کو ”بدھوں اور جینیوں“ کی طرح ہندو سماج کا ایک حصہ قرار دے دیا گیا اور سکھوں پر ہندوؤں کے بنائے گئے قوانین ہی ٹھونس دیئے گئے۔

یہ سکھ قوم کے ننگ و شواش سمات تھا۔

قانون سازی میں ان کے رد کے لیے سر دار حکم سنگھ اور سردار بھوپندر سنگھ نے یہ کہہ کر اس مسودہ قانون پر دستخط کرنے سے انکار دیا۔

”یہ قانون سکھوں کے حقوق کی پاسداری میں لڑا اس لئے ہم اسے نامنظور کرتے ہیں اور کرتے ہیں۔“

اس طرح سکھوں کی طرف سے نامنظور اور رد کئے گئے قوانین ہی آج تک سکھوں پر ٹھونے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

نیا قانون سکھوں کی مرضی کے خلاف ان پر ٹھونے جانے پر سکھ قوم کی دلدل رشپ میں سکھ قوم کے مستقبل سے متعلق دو علیحدہ علیحدہ نظریات سامنے آئے۔ ایک وچاریہ تھ کہ ہندو کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے آزاد خالصتان کے حصول کی جدوجہد شروع کی جائے۔ اس گروپ کی نمائندگی اکالی لیڈر جتھیدار پریم سنگھ گوجرال کر رہے تھے۔ دوسرا وچاریہ تھا کہ نئے حالات کو قبول کرتے ہوئے بھارت کے اندر رہتے ہوئے سکھ قوم کی بہتری کے لئے کوئی نئی راہ اختیار کی جائے۔ دوسرے گروپ کی نمائندگی ماسٹر تارا سنگھ کر رہے تھے۔

اس گروپ کی طرف سے اندرونی خود مختاری کی بنیاد پر پنجابی صوبے کا مطالبہ کیا گیا۔ جہاں

اس گروپ کے کہنے کے مطابق سکھ قوم کا مستقبل محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کشمکش میں ماسٹر تارا سنگھ جی کے گروپ کو کامیابی حاصل ہوئی اور اکالی دل کی طرف سے ”پنجابی صوبے“ کی مانگ سکھوں کے ”سیاسی نشانے“ کے طور پر سامنے آئی۔

تمام ہندوستان میں لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تقسیم عمل میں آئی لیکن 1953ء میں سٹیٹ ری آرگنائزیشن کمیشن (Src) نے پنجابی صوبے کا مطالبہ رد کر دیا۔ پنجابی صوبے کی مانگ کیوں رد کی گئی؟ کیونکہ پنجابی بھاشا کو سکھوں کی بھاشا ہی سمجھا گیا اور پنجابی صوبے کی مانگ کی سکھوں کی مانگ کی وجہ سے شک اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

ہندو قوم کے اس رویے نے سکھوں کے جذبات کو اور ابھارا۔ 1955ء میں اکالی دل کی طرف سے پنجابی صوبے کے حصول کے لئے باقاعدہ مہم شروع کر دی گئی۔ پنجاب سرکار کی طرف سے پنجابی صوبے کے مطالبے پر پابندی لگی اور پولیس نے دربار صاحب کے ”کراماں“ میں داخل ہو کر خدا کے گھر کی (گورو گھر) بے حرمتی کی۔

ہندو سرکار ہندو پولیس اور ہندو جماعتوں کی طرف سے سکھوں کے خلاف نفرت کی ایک پر زور مہم کا آغاز ہو گیا۔

1956ء میں ”آریہ سماج“ کی طرف سے ”ہندی بھاشا“ کے نام پر ”ہندی ایجنسی ٹیشن“ کے دوران نکالے گئے جلسوں میں سکھوں کے خلاف نفرت انگیز نعرے لگائے گئے جیسے:

”اوڑا رٹھی نہیں پڑھیں گے..... جوڑا جوڑی کاٹ دیں گے۔“

”کھیا، کچا، کڑا، کرپان..... بھیج دیاں گے پاکستان۔“

ان جلسوں کے شرکاء نے سکھوں کے گھروں اور کاروباری اداروں پر حملے کئے اور آگ لگائی۔ اس طرح سکھ اور ہندو سماج میں نفرت کی بھاؤ نے بالآخر گراؤ کاروپ اختیار کر لیا۔

30 اپریل 1960ء کو اکالی دل کی طرف سے پنجابی صوبے کے حصول کے لئے ایک نیا مورچہ لگایا گیا۔ اس دوران 57 ہزار سکھوں نے گرفتاریاں پیش کیں۔ سکھ لیڈر سنت فتح سنگھ جی نے 18 دسمبر 1960ء کو مرن برت رکھا لیکن سرکار پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

ہندو سرکار کے سکھوں کے خلاف درشت رویے نے جو گراؤ کی فضا پیدا کر دی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1965ء ”سکھ ہوم لینڈ“ کے مطالبے نے جنم لیا۔

اکالی دل ماسٹر تارا سنگھ گروپ کی طرف سے 1965ء میں لدھیانہ میں ”ہری سنگھ ٹلو اکا نفرس“ میں سکھ ہوم لینڈ کی قرارداد پاس کر دی گئی۔ اس قرارداد کی رو سے پنجابی بولنے والے علاقوں پر مشتمل

سکھ ہوم لینڈ کا مطالبہ کیا گیا جس میں دفاع قانون کے تحت سکھ ہندوستان سرکار کو دینے تجویز کئے گئے سکھ سیاست جب نیا رخ اختیار کرنے لگی تو ہندوستان سرکار کو بہت تکلیف پہنچی۔

1965ء کی ہند پاک جنگ کے بعد دھان منتری لال بہادر شاستری کی موت کے بعد اندرا گاندھی برسرِ اقتدار آئی تو اس نے مارچ 1965ء میں پنجابی صوبے کی مانگ کو اصولی طور پر تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا اور نئی حد بندیاں قائم کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا گیا۔ یکم نومبر 1966ء کو پنجابی صوبہ قائم کر دیا گیا لیکن چند گزہ اور بہت سارے پنجابی سکھ کلچر کے علاقے نئے صوبے سے باہر رکھ لئے گئے۔ بھاکراؤ ایم کا کنٹرول مرکزی حکومت نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ لسانی بنیاد پر قائم شدہ نئے پنجابی صوبے کا رقبہ 20 ہزار 5 سو چوراسی 20584 مربع میل اور آبادی ایک کروڑ 15 لاکھ چوراسی ہزار تھی جس میں 56 فی صد سکھ تھے۔

ہندوستان کی کل سکھ آبادی کا 58 فی صد اس صوبے میں آباد تھا۔ پنجابی صوبے کے حصول کے بعد بھی جب دہلی سرکار کی سکھوں کے خلاف شرانگیزی ہم جاری رہی۔ پنجاب کے ساتھ ہوئے دھوکے سکھوں کے دلوں میں کھٹکتے رہے اور سکھوں کے قومی جذبات ہو اپنے لگے تو سکھ قوم کے اندر آزادی حاصل کرنے کا رجحان پھر سے پیدا ہونے لگا۔ اس نئے رجحان کی نمائندگی ایک بزرگ سکھ لیڈر شہید درشن سنگھ جی پھر مارنے کی۔ شہید درشن سنگھ جی نے پنجاب کے ساتھ ہوئے دھوکے کو ختم کروانے کے لئے اپریل 1969ء کو مرن برت شروع کیا 74 دن کے مرن برت کے بعد 27 اکتوبر 1969ء کو آپ شہید ہو گئے۔ شہید درشن سنگھ جی پھر وہاں نے قوم کے نام اپنی آخری وصیت میں سکھ ہوم لینڈ کو قوم کی منزل قرار دیا ہندوستانی سرکار کی سکھوں کے ساتھ بے انصافیاں دھوکے اور زیادتیاں جاری رہیں۔ اور اس کے جواب میں سکھ قوم کا اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے سنگھ رتن بھی جاری رہی۔

1965ء میں لدھیانے کی ”ہری سنگھ تلوا کانفرنس“ میں سکھ لینڈ کی قرارداد پاس ہونے سے سردار درشن سنگھ جی کی شہادت تک کا عرصہ سکھ سیاست میں سیاسی تبدیلیوں کا عرصہ کہلائے گا۔ ان تبدیلیوں میں سکھ دانشور کپور سنگ کی زیر قیادت سکھ نوجوانوں کا پڑھا لکھا طبقہ سکھ قوم کے مستقبل کے لئے جدوجہد میں مصروف ہو گیا ان نوجوانوں کا تعلق سکھ سٹوڈنٹ فیڈریشن سے تھا اور سکھ ہوم لینڈ کا حصول ان کا مقصد تھا۔

دسمبر 1971ء میں بھی اس تحریک کا ایک حصہ بنارہا اور ایک لمبے سفر سے گزر کر عدالت کے اس کٹہرے تک پہنچا ہوں۔

اپنے قومی حقوق کے حصول کے لئے میری جدوجہد نے کئی گرم سرد دور بیتائے اور کئی اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں لیکن میں نے کبھی ان کا اثر قبول نہیں کیا اور کبھی ان سے ہار نہیں مانی۔

دسمبر 1971ء میں جب میں سٹوڈنٹ فیڈریشن چند گزہ کا پریذیڈنٹ تھا مجھے پردھان منتری اندرا گاندھی کے جلسے میں سکھ ہوم لینڈ سے متعلق پمفلٹ تقسیم کرنے کے الزام میں اپنے تین ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس پمفلٹ پر لکھی گئی عبارت آج تک مجھے لفظ بہ لفظ یاد نہیں لیکن اس کا مدعا کچھ یوں تھا۔

”1947ء سے پہلے سکھ قوم کے ساتھ جو وعدے کانگریس کی ہندو

لیڈر شپ نے کئے تھے انہیں پورے کروانے کا وقت آگیا ہے ہم آج اعلان

کرتے ہیں کہ سکھ ہوم لینڈ کے حصول کے لئے ہماری جدوجہد آج سے

شروع۔“

1971ء میں ڈاکٹر جگیت سنگھ چوہان نے لندن جا کر خالصتان کا نعرہ بلند کیا اور بھارت میں ان کے داخلے پر پابندی لگ گئی۔

1972ء کے آخر میں سکھ سٹوڈنٹ فیڈریشن کے جاری کئے گئے ماہوار میگزین جدوجہد (جس کا میں بعد میں ایڈیٹر رہا) میں چھپی میری ایک لکھن اور مضمون کی وجہ سے مجھے دو اور ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔

یہ مقدمہ قریباً 4 سال کے بعد 1976ء میں واپس لے گیا جب خالصتان لبر سکھ عوام میں دن بدن طاقت پکڑنے لگی اور پنجابی صوبے میں بننے والی اکالی وارتوں کو دلی حکومت کی دخل اندازی کی وجہ باز باز توڑا جانے لگا۔

1973ء میں اکالی دل نے آئند پور صاحب میں اپنے ایک اجلاس میں ایک قرارداد پاس کر کے اپنے سیاسی نشانے کو نئے سرے سے مقرر کیا۔ اس اجلاس میں پاس کی گئی قرارداد ہی کو ”آئند پور صاحب دامت“ کہا جاتا ہے۔

اس قرارداد کے ذریعے موجودہ پنجابی صوبے سے باہر رہ گئے پنجابی بولنے والے علاقے پنجابی صوبے میں شامل کر کے اس کے لئے اندرونی خود مختاری کی مانگ کی گئی ہے جہاں سکھوں کو مکمل مذہبی اور معاشرتی آزادی میسر ہو۔ اس خود مختار خطے کا علیحدہ اپنا قانون ہو اور دلی حکومت کے ساتھ اس کی سانجھ صرف ڈیفنس امور خارجہ کرنسی اور تجارت کے اصولوں تک رہے۔ 1974-75 کے دوران میں خالصتان تحریک کے نمائندہ میگزین (جنگ) کا ایڈیٹر رہا ہوں۔

13 اپریل 1975ء کو میرا پہلا شعری مجموعہ ”بیچ تیرھو“ سکھ سہیت کی طرف سے شائع کیا گیا جس کی 10 کاپیاں میں نے پاکستانی لکھاریوں کو ڈاک کے ذریعے بھیجیں جو ہندوستان کے سنسر بورڈ نے روک لیں اور اس کے بعد دسمبر 1975ء میں ”بیچ تیرھو“ ضبط کر لی گئی اور مجھے پندرہ مہینے بعد محکمہ تعلیم کی نوکری سے برطرف کر دیا گیا اس کتاب میں میری ایک نظم ہے۔

”گنگوٹوں گاندھی تک“ جو میرے خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔

1978ء سکھ تحریک میں خاص مقام رکھتا ہے ایمر جنسی کے بعد اندرا حکومت ختم ہو چکی تھی اور دلی میں ایک نئی جماعت جتنا پارٹی طاقت پکڑ رہی تھی۔

جنوری 1978ء میں ہریانہ کے ایک گاؤں پنڈوری میں چار ٹہنگ سکھوں کو گوردوارے کی زمین کے جھگڑے کی وجہ سے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

13 اکتوبر 1978ء کو سری امرتسر صاحب میں ایک سانحہ جس کو دلی سرکار اور پولیس اکثر ”نرنگا“ سکھ ٹکراؤ“ کا نام دیتا ہے اس سانحہ میں بھائی فوجا سنگھ جی شہید کی زیر گمان 13 سکھ شہید اور تقریباً سچاس زخمی ہوئے یہ نرنگاری کون ہیں۔ ان کا مقصد کیا ہے؟ ان کے ساتھ سکھوں کے جھگڑے کی کیا وجوہات ہیں؟

یہ ایک لمبا معاملہ ہے یہاں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ سکھوں سے الگ گردہ ہے جسے ہندوؤں اور ہندو سرکار کی پوری پوری پشت پناہی حاصل ہے اس سانحہ میں 13 سکھوں کی شہادت آج کی سکھ تحریک کی بنیاد ہے۔

13 اپریل 1978ء کے سری امرتسر صاحب کے سانحہ کے بعد سکھوں میں جو غصے بھرے جذبات کا طوفان اٹھا۔ اس کے نتیجے میں جگہ جگہ نرنگاریوں اور ان کی پشت پناہی کر رہی دلی سرکار کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے۔ ان مظاہروں نے سکھ قوم کے دلوں میں آزادی کے لئے تڑپ غلامی کا احساس پیدا کیا ان ابھرتے ہوئے جذبات کی راسخائی کرنے کے لئے عظیم رہنما ست جرنیل سنگھ جی خالصہ بھنڈرانوالہ سامنے آئے جنہوں نے سکھ قوم کو ناامیدی کے اندھیروں سے نکال کے جدوجہد آزادی کے راستے پر ڈال دیا۔

6 اگست 1978ء کو خالصتان لہر کو منظم کرنے کے لئے چند گزشتہ میں دل خالصہ قائم کیا گیا۔ اعلانِ بدھ میں ہندوستان کی غلامی سے نجات کا اعلان کیا اور آزادی کے لئے سنگھرش کا ڈنکا بجایا۔

14 ستمبر 1978ء کانپور میں ایک اور سانحہ ہوا جس میں سکھ نرنگاری ٹکراؤ کے نتیجے میں سات سکھ شہید ہوئے جن کی کمان میرے نزدیک کی ساتھی اور دوست بھائی جگجیت سنگھ جی کر رہے تھے۔

5 دسمبر 1978ء دلی میں ایک اور سانحہ ہوا۔ سکھ نرنگاری ٹکراؤ جس میں دو سکھ شہید ہوئے۔

1978ء کے دوسرے مہینے میری قومی نظموں کا دوسرا مجموعہ ”گنگو دی روح“ سکھ سہیت کیندر چندری گڑھ نے شائع کی جو بعد میں ضبط ہو گئی۔

دل خالصہ کی طرف سے ماہوار میگزین ”وے بتری“ جاری کیا گیا جس کو میں ایڈٹ کرتا تھا۔

1979ء کا سال بھی خالصتان تحریک میں مظاہروں اور کانفرنسوں کا سال رہا اس دوران دلی حکومت کے خلاف سکھ قوم کے بھڑکتے ہوئے جذبات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

14 اگست 1980ء کو نرنگاری گردہ کے سربراہ گرچین سنگھ کادلی میں قتل ہو گیا اس قتل کے بعد دلی سرکار کے خلاف دل خالصہ پانچ بڑے نشانے لے کے آگے بڑھا۔

- نمبر 1۔ سکھوں کو مکمل آزادی کے لئے خالصتان کا حصول۔
- نمبر 2۔ دنیا بھر میں موجود آزادی کی تحریکوں سے تال میل پیدا کرنا۔
- نمبر 3۔ سکھوں میں مذہبی بیداری اور تجدید مذہب کی تحریک پیدا کرنا۔
- نمبر 4۔ پنٹھ کے مخالف جماعتوں اداواروں اور نقلی گورو کا ڈٹ کے مقابلہ کرنا۔
- نمبر 5۔ سکھ قوم کے مخالف عناصر کا ہر سطح پر مقابلہ کرنا۔

☆☆☆

1977ء میں ایمر جنسی کے خاتمے کے بعد جب جتنا پارٹی طاقت میں آئی تو ہندوستان کے سیاسی مزاج میں تبدیلیوں کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مگر اس دور کی عمر بہت تھوڑی ہی ثابت ہوئی۔ ان تبدیلیوں کا جو اثر سکھ قوم اور سکھ تحریک پر پڑا وہ 1978ء کے دوران سامنے آیا۔ آئیے ذرا ان کے تبدیلیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

1947ء سے 1977ء تک 30 سال لگاتار ہندوستان میں ایک پارٹی کی حکومت رہی ہے اس دور میں ہندوستان کا مگر لیس اور نہرو خاندان ایک ہی چیز کے تین روپ سمجھے جانے لگے تھے۔

1975ء تا 1977ء کی ایمر جنسی کے دوران ایمر جنسی کے دور میں اس حقیقت کا انگریزوں کے پلیٹ فارم سے کھلے عام اشارہ ملنے لگا تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس کے پریذیڈنٹ مسٹر بہو گنا نے تو ”انڈیا از انڈیا اینڈ انڈرا از انڈرا“ کا نعرہ لگا کے خاندانی حکومت کی حقیقت کو 1947ء کے بعد کی ہندوستانی سیاست کے اتہاس میں شامل کر دیا ہے۔

آج مسٹر راجیو گاندھی کے پردھان منتری بننے کے بعد اس معاملے میں کسی شک کی گنجائش

نہیں رہ جاتی۔

1977ء میں تیس سال بعد پہلی بار ایمر جنسی کانگریس اور مسز اندرا گاندھی کے خلاف اٹھی متقی لہر کے نتیجے میں دلی میں ایک حکومت طاقت میں آئی اس کا نام جتنا پارٹی تھا۔

75-1974ء میں بہار میں شروع کی ہوئی طالب علموں کی احتجاجی تحریک جس کی کمان سرگودھ لائے نیتاجی بے پرکاش نارائن کر رہے تھے جب سارے ہندوستان میں پھیلنے لگی تو اندرا حکومت نے 25 جون 1975ء کو ایمر جنسی کا اعلان کر دیا۔ اور سب پرکاش نارائن سمیت تمام اپوزیشن لیڈروں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا۔ اس ایمر جنسی کے خلاف ہندوستان کی اپوزیشن جماعتوں نے اپنا جدوجہد جمہوریت کے لئے جاری رکھی لیکن پنجاب میں اکالی دل کی طرف سے لگایا گیا مزاحم سب سے علیحدہ اور شکتی شالی (طاقتور تھا جو ایمر جنسی کے لاگو ہونے تک جاری رہا۔

8 نومبر 1977ء کو جب ایمر جنسی کو ختم کر کے اپوزیشن لیڈر رہا کئے گئے۔ اور اندرا حکومت کی طرف سے مارچ میں ہوئی کاروائی کا اعلان کیا گیا تو وہ تمام اپوزیشن جماعتیں جن کے لیڈر ایمر جنسی کے مخالف ہونے کی وجہ سے جیلوں میں بند کر دیئے گئے تھے سب پرکاش نارائن کے زیر کمان جتنا پارٹی کے نام سے اکٹھے ہو گئے اس جتنا پارٹی میں کانگریس کو چھوڑ کے آئے مسز اندرا گاندھی کے مخالف گروپ کانگریسی اور جے پی کے علاوہ جن سنگھ شمالی بھارت کے ہندو کسانوں کی جماعت چونڈری جن سنگھ بھارن اک دل سابقہ مہاراجے اور سرمایہ داروں کی ساتھی سوتنڑا پارٹی بائیں بازو کی پارٹیاں سوشلسٹ پارٹی پر سوشلسٹ پارٹی اور پیپلک پارٹی آف انڈیا شامل ہو گئیں۔

جتنا پارٹی نے کچھ علاقائی پارٹیوں کے ساتھ انتخابی سمجھوتہ بھی کیا ان میں اکالی دل شامل تھی دو بڑی کمیونسٹ پارٹیوں میں ایک بھارتی کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری اگارتی کے ساتھ تھا اور مارکسی کمیونسٹ پارٹیوں کا سمجھوتہ جتنا پارٹی کے ساتھ تھا۔

پارلیمنٹری چناؤ کے نتیجے جتنا پارٹی کے حق میں گئے اور کانگریسی اور ہندو خاندان کی 30 سالہ حکومت کا عارضی خاتمہ ہو گیا۔

☆☆☆

اس نئی طاقت میں آئی جتنا پارٹی میں مسلمانوں اور سکھوں کے خلاف بغض رکھنے والا طبقہ بڑی تعداد میں تھا۔ سکھوں کی بڑی جماعت اکالی دل بڑی سوچ بچار کے بعد اسے فیصلے پر پہنچ گئی کہ سکھوں کی تکلیف کی وجہ سے صرف کانگریس اور ہندو آبادی میں ہے کیونکہ اکالی دل کا واسطہ پچھلے

تیس سالوں میں یا اس سے بھی پہلے صرف کانگریس کے ساتھ ہی رہا تھا سکھوں میں یہ طبقہ اس خیال کا حامی تھا اگر کانگریس کی حکومت ختم ہو جائے تو سکھوں کے تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس خیال کے سبب اکالی دل مرکز میں بھی جتنا پارٹی کا بھی وال بنا اور اس کے دو ممبر لئے گئے۔ جتنا پارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد سکھوں کے ساتھ رویہ جب سامنے آیا تو ہندوستانی سیاست کی اس نئی طاقت نے سکھوں کے پہلے والے خیالات کو بڑی گہری چوٹ لگائی۔

اس نئی جتنا پارٹی نے جنوری 1978ء میں ہی پنڈوری ہریانہ میں چارنگ سکھ شہید کر کے سکھ قوم کو پہلا تحفہ دیا اس کے بعد 13 اپریل 1978ء دسمبر 1978ء امرتسر کا پور اور دلی میں تین سانحہ ہوئے جن میں تیرہ سات اور دو سکھ شہید ہوئے۔

نرکاری سکھ مسئلے کے لئے نئی قائم شدہ حکومت کا رویہ پہلی حکومتوں سے کہیں زیادہ سکھوں کے خلاف تھا۔ جتنا دور کے پردھان منتری مسز مرارجی ڈیاسی کا رویہ تو خصوصاً سکھوں کے معاملے میں نفرت سے بھرپور تھا اس کی ایک سیاسی وجہ ہے۔ 13 اپریل کے سانحہ کے بعد نرکاری ٹولے کا سربراہ گرچن سنگھ کے قتل کے بعد امرتسر سے فرار ہو کے دلی پہنچا تو وہ سیدھامراجی ڈیاسی کو ملنے گیا۔ مسز ڈیاسی نے ان تیرہ قتلوں کے ذمہ دار کو خاص مہمانوں کی طرح جانا اور اس کی خاطر تواضع کی۔

جب 14 مئی 1978ء کو اس کے برعکس جب 13 سکھوں کے قتل کے خلاف احتجاجی جلوس کی شکل میں جوگا سنگھ دلی میں مرارجی ڈیاسی کی کوشی پر پہنچا تو وہ میمرنڈم لینے کے لئے باہر نہ آئے اور جان پوچھ کر کچھ دیر پہلے باہر چلے گئے تھے۔ یہ حرکت سکھوں کے جذبات کو پکچل دینے کے مترادف تھی۔

جتنا لیڈر شپ کے اس رویے نے سکھوں کی سوچ میں نیا انقلاب پیدا کیا۔ کانگریس کی سکھ دشمنی وہ گزشتہ 30 سال سے دیکھتے آرہے تھے اور اس کی مخالف جماعتیں جن سے اکالی دل کو بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اور وہ ان کی اتحادی بنی ہوئی تھی جب کانگریس کے بدلتے روپ میں طاقت میں آئی تو انہوں نے آتے ہی سکھوں کے خلاف اسی دشمنی سے بھرپور رویے کا اظہار کر دیا اب سکھوں کے پاس سوائے اس کے سوچنے کے کچھ نہیں تھا کہ ہندوستان میں کوئی سیاسی جماعت ان کی دوست نہیں ہے اور سکھ کانگریس یا جتنا پارٹی سے نہیں بلکہ دلی کی حکومت سے ہے۔ میں نے ان حالات کو اپنی ایک لکچر ”گنگو دی روح“ جو میری دوسری کتاب کی مرکزی لکچر ہے میں اس طرح بیان کیا تھا۔

اے گاندھی اندرا یا نہرودی دھی

سلسلہ ختم ہوندا میں

سلسلہ جاری ہے

تے ہیں

گنگو دے دارٹاں دی داری اے۔

☆☆☆

ہندوستان میں تین بنیادی نظریات کی حامل سیاسی جماعتیں ہیں ایک کانگرس ہے جو سیکولرزم اور سوشلزم کی دھجواں ہونے کے باوجود شروع سے ہی ہندو خیالات کے زیر اثر رہی اور اپنی سکھ دشمنی ظاہر کر چکی ہے۔

دوسرا چوں چوں کا رہا ہے یہ 1977ء جتنا پارٹی کے نام تلے اکٹھے ہوئے اور 1980ء میں دوبارہ بکھر گئے۔ آج ان کے کھڑے ہوئے دھڑے علیحدہ علیحدہ جھنڈوں تلے کام کر رہے ہیں اور اس میں سابقہ جرنیل سکھ اور موجودہ بھارتی جتنا پارٹی جیسے دائیں بازو کی ہندو جماعتیں بھی ہیں۔ چوہدری چرن سنگھ کا لوک دل بھی۔ جو اپنے کئی نام بدل چکا ہے لیکن اصل میں یہ ہندو کسانوں اور جاٹوں کی جماعت ہے جو سکھ دشمنی میں کسی بھی طرح بھارتی جتنا پارٹی سے پیچھے نہیں اور جتنا پارٹی جیسی جماعت بھی ہے جس میں چندر شیکھر جیسے ان وادی بھی ہیں اور ڈیسا جیسے دائیں بازو کے ہندو مانگ والے سیاست دان بھی ان کے علاوہ کچھ کانگرس سے ملے ہوئے بھی ہیں جیسے کانگرس ایس اور کانگرس جے جن کا دائرہ اثر مخصوص حلقوں یا علاقوں کا محدود ہے ان سب کا سانچا روپ جتنا پارٹی کا دور بھی سکھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

تیسرا دھڑا کیونست ہے جس میں بھارتی کیونست مارکس وادی کیونست پارٹی آئل انڈیا کیونست پارٹی اور ان کے علاوہ اپنے آپ کو کرائی کاری (انقلابی) کہلانے والے کیونست مارکسس مکسل ہاڑی بھی شامل ہیں۔ بنیادی روپ میں یہ سب مذہب کے خلاف ہیں اور رنوم جس کی سیاست کی بنیاد ہی مذہب ہے ان سے کوئی امید نہیں رکھ سکتی ایسے حالات میں ہندوستان میں سکھوں کا مستقبل سوائے ناامیدی کے اندھیروں کے کیا ہو سکتا ہے؟

☆☆☆

اپنے حقوق کے لئے بالا سکھوں نے اکالی دل کے جھنڈے تلے مورچہ لگایا تو حکومت کی طرف سے ان پر تشدد شروع ہو گیا۔ بڑی تعداد میں سکھوں کو گرفتار کیا گیا اور سنت جرنیل سنگھ جی خالصہ بھنڈرانوالے کی گرفتاری کی کوشش بھی شروع ہو گئی۔ دلی سرکار کے اس رویے کے خلاف

سکھوں میں بھی جوانی غصہ بیدار ہوا اور سرکار کے خلاف ہونے والے مظاہروں نے زور پکڑا۔ 1980ء کے آخر میں میری قومی نظموں کا تیسرا مجموعہ (وصیت نامہ) سکھ ساہیت کیندر نے شائع کیا بعد کی خبروں کے مطابق اسے بھی ہندو سرکار نے ضبط کر لیا ہے۔ 1981ء کا سال صحیح معنوں میں خالصتہاں کا سال تھا اس سال کا شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس دن خالصتہاں تحریک سے وابستہ کوئی واقعہ نہ ہوا ہو۔ 13 اگست 1981ء کو آئند پور صاحب میں دل خالصہ کی طرف سے کئے گئے خالصتہاں مارچ کے بعد سرکار کی طرف سے نیشنل سیکورٹی ایکٹ سکھوں کے خلاف نافذ کر دیا گیا۔ خالصتہاں تحریک سے وابستہ ہونے کی بنا پر سکھوں کے خلاف بغاوت کے کیس درج ہوئے۔ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہوا تھا۔ ایسے کچھ کیس مجھ پر بھی تھے۔

مئی 1971ء سے دل خالصہ کے خلاف کئی مقدمے درج کئے جا چکے تھے۔ ان دنوں خالصہ نے ”خالصتہاں ساچار“ جاری کیا جس کا میں ایڈیٹر تھا۔ سرکار کی سختی کی وجہ سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع نہ کیا جاسکا۔

9 ستمبر 1981ء کو ایک ہندو اخبار نویس لالہ جگت نرائن جو سکھ دشمنی میں بہت آگے بڑھ چکا تھا قاتل ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پنجاب ایک جوالا کھی کی طرح پھٹ پڑا۔ پنجاب کے کئی شہر ہندو سکھ ٹکراؤ کی زد میں آ گئے جالندھر میں سکھ آبادی اور سکھ اخباروں کے دفاتر پر حملے کئے گئے آگ لگائی گئی۔

اس قتل کے سلسلے میں سکھ قوم کے عظیم رہنما سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے کی گرفتاری کے لئے ہندو جماعتوں اور ہندو پولیس نے آسمان پر سر اٹھالیا۔

13 اگست 1981ء کی رات کو ہریانے کے ایک گاؤں چندو کلاں میں سنت جی کی گرفتاری کے لئے پولیس نے بڑی تعداد میں چھاپہ مارا سنت جی گرفتار نہ کئے جاسکے لیکن پولیس نے بدلے کی آگ میں جلنے ہوئے گاؤں کی سکھ آبادی پر تشدد کیا اور سنت جرنیل سنگھ جی خالصہ بھنڈرانوالے کی ”دھرم پرچارک بس“ کو آگ لگا دی جس میں سکھ مذہب کی مقدس کتابیں (گرد گرنتھ صاحب کے سیکلے) رکھے ہوئے تھے۔

چندو کلاں کے اس واقعے نے سکھوں کے دلوں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا اس زیادتی کا جواب دینے کے لیے دل خالصہ کے ایک کارکن سردار گر بخش سنگھ نے جالندھر میں سرعام ہندوستان کے جھنڈے اور قانون کو آگ لگائی۔

☆☆☆

سنت جرنیل سنگھ جی خالصہ جھنڈا رانوالے نے اعلان کیا کہ وہ 20 ستمبر کو اپنے ہیڈ کوارٹر "گوردوارہ گردشن پرکاش" چوک مہتا سے اپنی گرفتاری پیش کریں گے یہ اعلان سنتے ہی پنجاب اور ہندوستان کے کونے کونے سے سکھوں کے جتھے امرتسر شہر سے تقریباً 35 کلومیٹر دور چوک مہتا میں پہنچنے لگے۔

20 ستمبر کی صبح کو گوردوارہ "گردشن پرکاش" میں ایک بھاری دیوان جایا گیا جس سے سکھوں کے تمام پارٹیوں کے لیڈروں نے خطاب کیا آخر میں سنت جرنیل سنگھ جی خالصہ جھنڈا رانوالے نے قوم کے حالات ہندو سرکار کی طرف سے سکھوں کے خلاف ہونے والے ظلم اور اپنی گرفتاری کے سلسلے میں بہت جذباتی لہجے میں اپنے خیالات سکھوں کے سامنے پیش کئے اور اپنی گرفتاری کے بعد سکھوں کی پرامن رہنے کی اپیل کی۔

تقریر کے خاتمے کے بعد سنت جی نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ سنت جی کو بھاری پہرے کے اندر جیلوں میں۔۔۔ لے کر لے جایا گیا۔ اس وقت جذباتی نعروں کی لہکار بلند ہو رہی تھی۔ جوش اور غصے میں بھرے ہوئے ہزاروں افراد نظر آ رہے تھے۔ اچانک ایک طرف سے پولیس نے سکھوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ گولیوں سے سکھ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ بوڑھے بچے جوان عورتیں مرد کچھ بھی نہ دیکھا گیا جو سامنے آیا گویا نشانہ بن گیا۔ جب سنت جرنیل سنگھ جھنڈا رانوالے کی گرفتاری اور چوک مہتا کے قتل عام کی خبر دینا بھر کے سکھوں کی پہنچی تو ان کے دلوں میں جوش و جذبے کی آگ بھڑک اٹھی۔ ہر سکھ نے محسوس کیا کہ چوک مہتا میں اس کا خون گرا ہے بعد کی الگ الگ رپورٹوں کے مطابق سو سے زائد سکھ شہید ہوئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔

☆☆☆

یہ تھے وہ حالات جن میں دل خالصہ نے سوچا کہ سنت جرنیل سنگھ جی بھڑا رانوالے کی گرفتاری اور چوک مہتا میں سکھوں کے قتل عام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنی ضرور ہے۔ دلی کے ہندو سامراج کی طرف سے سکھوں پر ہوئے ظلم و تشدد کو دنیا کے سامنے نکالنے کی ضرورت ہے۔ خالصتان کی آزادی کے لئے سکھ قوم کے جذبات دنیا کے سامنے پہنچانے ضروری ہیں یہی سوچ تھی جسے سامنے رکھ کر دل خالصہ کے فیصلے کے مطابق ان پانچ سکھوں نے سکھ قوم کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا جس کو جرم کا نام دے کر ہمیں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

ہماری کارروائی کو جرم اور ہم پانچوں کے لئے مجرموں کے لفظ کا استعمال کرنے والوں کے لئے

کیا کوئی ایسی ایک بھی مثال موجود ہے جب ہم نے اپنے قومی مقصد کو حاصل کرنے کے دوران جہاز کے عملے یا سوار یوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی غیر اخلاقی بات یہ کوئی برابرتاؤ کیا ہو؟

سچ تو یہ ہے کہ ایسا برتاؤ ہماری سوچ ہماری فطرت کا حصہ ہی نہیں ایسے حالات میں مروجہ روایات کے برعکس جہاز کے عملے اور سوار یوں کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کیا گیا انہیں دوستانہ ماحول دیا گیا ان کے لئے طبی سہولتوں کا انتظام کیا گیا ان کے لئے وقت کی ضرورت کے مطابق کھانے پینے کا انتظام کیا گیا ان کی سہولت کے لئے ضرورت کے مطابق ٹائلٹ کی صفائی کروائی جاتی رہی انہیں جہاز سے نیچے اتر کر ٹہلنے اور سگریٹ پینے کی اجازت دی گئی اس سب کچھ کے علاوہ بیمار مسافر بغیر کسی شرط کے لاہور اترنے کے فوراً بعد رہا کر دیئے گئے اس کے کچھ دیر بعد عورتیں اور بچے رہا کر دیئے گئے اور پھر سارے غیر ملکی مسافروں اور جہاز میں موجود کچھ سکھ مسافر بھی رہا کر دیئے گئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے پاس اپنے روایتی مذہبی ہتھیار کرپان کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ جس کے سلسلے میں ہم پر فرض عائد ہے کہ اس کا استعمال صرف دھرم کی حفاظت کے لئے کہا جاتا ہے اور یہی کچھ ہم نے کیا۔

کیا مجرم ایسے اخلاق کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں؟

ہمارے رویے کے برعکس 29 ستمبر 1981ء کے بعد ہندوستانی پولیس کے کئی سکھ نوجوانوں کو گرفتار کر کے ان پر ظلم و تشدد کیا۔ ان کے گھر گھاٹ بلند وزروں کے ساتھ سمار کر دیئے گئے۔ جھوٹے پولیس مقابلے بنا کے بہادر سکھوں کو قتل کیا گیا کون سا ظلم ہے جو جمہوریہ کے نام تلے اس ہندو راج نے سکھوں پر نہیں کیا۔ سکھوں کے قومی حلقوں کے لئے آواز بلند کرنے والی تنظیموں دل خالصہ اور نیشنل کونسل آف خالصتان پر پابندی لگا دی گئی۔

دھرتی کا یہ خطہ جسے ہندوستان کہا جاتا ہے یہ میرا دلش نہیں ہے۔ میری روح نے اسے کبھی بھی اپنے دلش کے روپ میں قبول نہیں کیا۔ میں جنم سے ہی اپنے آپ کو بے گھر محسوس کرتا ہوں اور جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے قومی گھر نیشنل ہوم لینڈ کے لئے سنگھرش کو ہی زندگی سمجھا ہے۔ جب کوئی اس ملک کے لئے بھارت ماتا کا لفظ استعمال کرتا ہے تو میری سوچ کے سامنے ایک ایسی عورت کی تصویر ابھرتی ہے جس کے لیے لے دانت سکھوں کے تازہ لہو سے بھرے ہیں اور جس نے اپنے گلے میں سکھوں کی کھوپڑیوں کی مالا پہن رکھی ہے آج تو کسی بھی بچے سکھ کے نام کے ساتھ ہندوستان کا نام جوڑنا ظلم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کو اپنے بے گھر ہونے کا احساس کچھ دیر پہلے ہو گیا تھا اور کسی کو بعد میں ہوا۔

اور تقریباً اپنے ہر خطاب میں اس کا ذکر بڑے فخریہ الفاظ میں کیا۔ امریکہ میں رہنے والے سکھ قوم کے ایک مانے ہوئے لیڈر سردار گنگا سنگھ ڈھلوں نے سردار ستوندر سنگھ کی دلی سے چھپی کتاب میں ہماری کارروائی کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے اور اسے سکھوں کی قومی غیرت کی مثال قرار دیا ہے۔

اس کتاب میں چند گڑھ سے میری والدہ کا ایک انٹرویو بھی چھپا ہے جس میں اس نے کہا۔ ”مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے اس نے جو کیا ہے مذہب کی حفاظت کے لئے کیا ہے۔“ ہماری کارروائی کی حمایت میں اور بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے اور یہ مثالیں اس بات کا پکا ثبوت ہیں کہ ہماری کارروائی کو سکھ قوم کی پوری پوری حمایت حاصل تھی اور ہے اور یہ سکھ قوم کے جذبات کی بھرپور ترجمانی ہے۔

دوسری طرف ہندو پریس ہندو جماعتیں اور ہندوستان کی حکومت کا رویہ ہماری کارروائی اس کے برعکس ہے اور ہمیں دہشت گرد بنایا جا رہا ہے۔

☆☆☆

ہندوستان میں سکھوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں بے انصافیوں اور ظلم کی صحیح تصویر اس عدالت کے سامنے پیش کرنے کے لئے جو وقت اور سہولتیں درکار ہیں وہ ہمیں حاصل نہیں یہاں تو میں نے صرف اس کی مبہم سی تصویر ہی کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ میرے ایک شاعر دوست پروفیسر کلونت سنگھ گریوال نے کافی دیر پہلے بھارتی سکھوں کے احساسات کی ترجمانی ایک نظم کی کچھ سطروں میں کی تھی۔

کیڑا دیس تے کیڑی بولی تے رہنا کون ٹھکانا۔

کافی بس لوکاں وانگوں جی کے وقت لگھانا

ہندوستان تیرا گھر دسد اے۔

پر مینوں سمجھ نہ کائی۔

دیوے نوں انہا کر دیندی دیوے دی روشنائی۔

ساری رات اسان مر مر جس گھر دی خیر منائی۔

بڑھک مارا دے گھر والے بن بیٹھے ہر جائی۔

اس انوکھی جمہوریت میں انصاف کا روپ ہندوؤں اور ان کے ایجنٹوں کے لئے اور ہے اور سکھوں کے لئے اور سکھوں کے معاملات میں عدالتیں، یہی کچھ کرتی ہیں جو حکومت چاہتی ہے اور

میں اپنے بیان کئے گئے خیالات کے ذریعے اس دیش اور یہاں کی حکومت پر سکھوں کے احسانات کی بات نہیں کرنا چاہتا لیکن اس صداقت سے بھی کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے کہ اناج سے لے کے ملک کی حفاظت تک کے معاملات میں اس زمین کا چپہ چپہ سکھ قوم کے احسانات تلے دبا ہوا ہے ان احسانات کے بدلے میں بھارت نے سکھ قوم کو کیا دیا؟

ان کی قومی حیثیت کو ختم کر کے ہندوؤں کا طفیلی ایک فرقہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

ان کو جرائم پیشہ قوم قرار دیا۔

سکھوں کی مذہبی روایات کو سازش کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

ایک سازش لے ذریعے سرداروں کی اس قوم کو گھسیارے بنانے کی کوشش کی گئی۔ گوردواروں

کو جلایا اور دیگر تہ صاحب کی بے حرمتی کی گئی۔

سکھوں کے رہن سہن کا مذاق اڑایا گیا۔

کچھا سنگھا کڑا کر ان۔

بھج دیاں گے پاکستان۔

جیسے نعرے لگائے گئے اور پنجاب کی شہروں کی سڑکوں پر اور بہت کچھ لکھا اور کہا گیا۔

سری دربار صاحب پر حملہ کر کے سرن اکال تخت کو آگ لگایا گیا اور ہزاروں سکھوں کا قتل عام

کیا گیا۔

دلی کے بازاروں اور گلیوں کو سکھوں کے خون سے رنگا گیا اور ماؤں بیٹیوں کی عزتیں برباد کی

گئیں۔

29 ستمبر 1981ء کی ہماری کارروائی دلی کے ہندو سامراج کے خلاف سکھ قوم کی آزادی کی

جنگ کا ایک حصہ ہے ہماری کارروائی کے کچھ دن بعد 25 ستمبر 1981ء کو سن جرنل سنگھ جی

خالصہ بھنڈرانوالے کو بیگانہ قرار دے کر رہا کر دیا گیا۔ سنت جی کی رہائی ہماری کارروائی کا بڑا

مقصود تھا اور ان کا کچھ دن کے اندر ہی رہا کر دیا جانا ہماری کارروائی کے حق بجانب ہونے کی پہلی

ٹھوس دلیل ہے۔

ہماری کارروائی کے بعد اس سلسلے میں جوری ایکشن سامنے آیا ان کی دوا لگ لگ قسمیں

ہیں۔ ایک ری ایکشن سکھ قوم کا تھا جس نے کھلے روپ میں اسے خوش آمدید کہا اس کی بھرپور تعریف

کی اور اس کارروائی کو کرنے والوں کو قومی ہیرو قرار دیا گیا۔

ہماری قوم کے عظیم رہنما سنت جرنل سنگھ بھنڈرانوالے نے اس کارروائی کی بھرپور حمایت کی

حکومت وہی کچھ چاہتی ہے جس سے سکھوں کی جڑوں پر چلنے والی آری کو اور تقویت ملے۔

13 اپریل 1979ء کو سری امرتسر صاحب کا سانحہ ہوا۔ 13 سکھ سرکار کے ایجنٹوں نے انکار یوں کی طرف سے قتل کئے گئے۔ مقدمے امرتسر سے ہریانہ کے شہر کرائل بدل دیئے گئے۔ مقدمہ چلا فیصلہ ہوا قتل ہونے والوں کو دوشی قرار دیا گیا اور قاتل باعزت بری کر دیئے گئے۔ یہ ایک مثال ہے ایسی اور کئی مثالیں موجود ہیں۔

سکھ انصاف کس سے مانگیں؟ ہندو سے جو خود سکھوں کا قاتل ہے ان حالات میں کوئی بتا سکتا ہے کہ سکھوں کے پاس انصاف حاصل کرنے کا طریقہ جنگ کے بغیر اور کیا ہے؟ میں آج موجودہ دور کی تاریخ کے اندھیروں میں کھوئی ہوئی قوم کا ایک حصہ ہوں جو اپنی پہچان ڈھونڈنے نکلے ہے۔

غلامی کی اس سیاہ اور تاریخ رات میں میری جدو جہد ہی میری پہچان ہے۔ میری جدو جہد ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ عزت کے ساتھ جینا ہی میری خواہش ہے اور میرے اس سنگھرش کو میرے خون کے لٹیرے انتہا پسندی کا نام دیتے ہیں۔

اہور کی سب جیل کے جس سیل میں مجھے ایک لمبے عرصے سے بند رکھا گیا اس کے سامنے اکثر چڑیوں کا گھونسلایا ہوا تھا۔ وہ چڑیاں مجھے اپنی ہمدرد لگتی تھیں اپنی ایک لطم میں میں نے ان چڑیوں کے ساتھ کچھ باتیں کیں ان کی اسطر میں حاضر ہیں۔

آزادی لپٹی اڑ دے ہاں

ایس نئی تالے بند اں چڑیو

بے گھر ہاں اے اوکھ نکلے

ایس لئی دہشت گرد اں چڑیو

سکھ اپنے الگ مذہب، الگ زبان، الگ تاریخ، الگ روایات، الگ مزاج اور رہن سہن کے اپنے انداز کی وجہ سے کبھی بھی ہندو سماج کا حصہ نہیں بن سکتے۔

1947ء کی تقسیم تک ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرح ہی سکھوں کی علیحدہ حیثیت کو تسلیم کیا جاتا رہا اور برصغیر کے مستقبل کے لئے تین قوموں کی نمائندگی کے اصول کو تسلیم کیا جاتا رہا آج سے تقریباً دو سال پہلے برطانیہ کے ہاؤس آف لارڈز کی طرف سے ایک سکھ نوجوان کو برطانیہ کے ایک سکول میں بگڑی باندھنے کی اجازت کے سلسلے میں مقدمے کے فیصلے میں قانونی طور پر سکھوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دیا۔

سکھ ایک علیحدہ قوم ہے اور ایک علیحدہ قوم کی حیثیت میں زندگی گزارنے کی خواہش رکھتے ہیں اور یہ ان کا حق ہے اگر دنیا کے دو کروڑ لوگوں کی یہ قوم اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کرنے کا حق مانگتی ہے تو کیا یہ جرم ہے؟

اگر دنیا کے دو کروڑ لوگوں کی یہ قوم اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آواز بلند کرتی ہے تو کیا یہ انتہا پسندی ہے؟

اگر دنیا کے دو کروڑ لوگوں کی یہ قوم اپنے قومی حقوق کے لئے سنگھرش کرتی ہے تو یہ گناہ ہے؟ اگر سکھ قوم پر ہور ہے مظالم کی کہانی دنیا کو سنانے کے لئے یا اپنی قوم کی آزادی کے لئے تڑپ کا اظہار دنیا کے سامنے کرنے کے لئے اٹھائے گئے قدم کے لئے ہم گنہگار ہیں مجرم ہیں۔ انتہا پسند ہیں تو فلسطین کا ہر بچہ نمیبیا کا ہر بہادر، افغانستان کا ہر مجاہد، کشمیر کا ہر حریت پسند بھی گنہگار ہے مجرم ہے انتہا پسند ہے۔

اگر دنیا کے 46 لاکھ فلسطینی، 5 لاکھ نمیبین، ایک کروڑ ساٹھ لاکھ افغان اور 90 لاکھ کشمیریوں کے اپنی قسمت کے آپ فیصلہ کرنے کے حق کو تسلیم کیا جاسکتا ہے تو دنیا کے دو کروڑ سکھوں کے لئے یہ حق کیوں تسلیم نہیں کیا جاسکتا؟

کیا ایک بڑی حکومت کو طاقت کے بل بوتے پر ایک چھوٹی کشتی کے لوگوں کے حقوق کو ہڑپ کر جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ کیا کوئی قانون یا اخلاقی اصول دلی کے ہندو سامراج کو سیکولر ازم اور لوگ راج کے خوبصورت پردے تلے سکھوں کے حقوق کو کچلنے کی اجازت دیتا ہے؟ کیپ ٹاؤن میں انہتر یا انیس دکنی افریقی مارے جائیں، صابریہ شہیلہ میں 600 فلسطینی قتل کر دیئے جائیں یا سری لنکا میں تامل مارے جائیں تو دنیا بھر میں آہ و بکا کچ جاتی ہے۔

انسانی حقوق کی حفاظت کی دعوے دار تنظیمیں یو این اور آزادی اور انسانی حقوق کے ترجمان ملک اس کے خلاف قراردادیں پاس کرتے ہیں اگر سکھوں کے مقدس ترین مقام دربار صاحب پر ہندوستانی فوج حملہ کر کے اکال تخت صاحب شہید کر دے ہزاروں سکھ مرد عورتیں بوڑھوں بچوں کو قتل کر دیا جائے یا دلی کی سڑکوں پر ہزاروں سکھ ہندوستان کی سرکاری رپورٹ کے مطابق 3000 "راشٹریہ ایکٹا کے نام پر دن دھاڑے قتل کر دیئے جائیں تو انسانی حقوق کے علمبرداروں یو این اور آزادی..... کی زبانوں پر تالے کیوں لگ جاتے ہیں۔ کیا سکھوں کا لہو لہو نہیں پانی ہے؟ سکھوں پر ہور ہے ظلم کو ہندوستان کا اندرونی معاملہ کہہ کر اس سے آنکھیں بند کر لینے کی اجازت دینا کا کون سا مذہب، کون سا فلسفہ یا کون سا قانون دیتا ہے؟

ہندوستان کی سیاست کی طرف سے پاکستان کے لیے ایک نیا دور کا آغاز ہے اور باہر کی دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سکھوں کی زیادہ تعداد ہندوستان کی غلامی میں خوش ہے اور اسے خوشی کے ساتھ قبول کرتی ہے۔

سری دربار صاحب پر ہندوستانی فوج کے حملے کے دوران اس سے پہلے اور بعد میں ہزاروں آزادی پسند بہادر سکھوں کو قتل کرنے کے بعد بھی اگر ”مٹھی بھر لوگ“ جیسے الفاظ کا کوئی مطلب رہ جاتا ہے تو میں ہندو سرکار کو کہنا چاہوں گا کہ وہ پنجاب ہندوستان یا دنیا بھر کے سکھوں کا ریفرنڈم خالصتان کے ایشور پر کسی عالمی عدالت سے کروالے تاکہ سکھ جذبات کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے آ سکے۔

میں یہ بات کسی تجبک کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ خالصتان کے حامی ”مٹھی بھر لوگ“ سکھ قوم کا 90 فیصد حصہ ضرور ہیں۔

بین الاقوامی جزا اسمبلی کی لیگل کمیٹی نے پاکستان کے نمائندے مسٹر منظور حسین شاہ سے انٹر راشنری گزٹ پر بیان دینے کے سلسلے میں جن باتوں کا ذکر کیا تھا ان کے مطابق بھی ہماری کارروائی کو ”بین الاقوامی دہشت گردی“ نہیں کہا جاسکتا۔

آج ہم اسی حق کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ جو مسلم لیگ نے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے 38 سال پہلے پاکستان کے روپ میں حاصل کر لیا تھا۔ ہم مجرم ہیں تو صرف تقدیر کے مجرم ہیں کہ ہماری دم کو 1947ء سے پہلے کوئی علامہ اقبال نہیں ملا، کوئی قائد اعظم نہیں مل سکا۔

آج اس عدالت میں ہمارے اوپر مقدمہ قائم جارہا ہے تو عدالت کے اس کٹہرے میں میرے ساتھی ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے ہزاروں آزادی پسند رہے ہیں۔ اس کٹہرے میں تحریک پاکستان کے سپاہی بھی کھڑے ہیں یہاں فلسطینی، نیپیا، کشمیر اور خالصتان کے مجاہدین بھی کھڑے ہیں فیصلہ پانچ خالصتانی سکھوں کے مقدمے کا نہیں فیصلہ غلامی کی زندگی اور آزادی کی جدوجہد کے متعلق قائد اعظم کے ملک پاکستان کے قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔

☆☆☆

پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق نے ایک انٹرویو میں جو روزنامہ نوائے وقت لاہور کے 16 دسمبر 1983ء کے انگریزی سیکشن میں چھپا ہے۔ (دلی سے چھپنے والے ایک ماہوار میگزین ڈبلیو ریکارڈر سے لیا گیا۔) ضیاء صاحب کا یہاں انٹرویو ڈبلیو ریکارڈر کے مسٹر راج پال سنگھ چوپڑہ نے اسلام آباد میں لیا۔ مسٹر راج پال سنگھ کے اس سوال کے جواب میں ”کہ ان سکھوں پر جنہوں نے

کچھ کہا وہ ہماری کارروائی کے سیاسی ہونے کی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔ ضیاء صاحب کہتے ہیں:

"It was a political Problem in this sense it was not a Real Hi-Jack, but a Political act."

یہ بات ہماری کارروائی کے مجرمانہ نہ ہونے اور ایک سیاسی کارروائی ہونے کے حق کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ہمارا بھی نقطہ نظر یہی ہے کہ یہ ایک سیاسی کارروائی تھی جو سکھ قوم کے جذبات کی ترجمانی کے لئے کی گئی اس سیاسی کارروائی کو مجرمانہ کارروائی کے دائرے میں نہیں رکھا جانا چاہئے اور نہ ہی اس کارروائی کو کرنے والوں کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جانا چاہیے۔

1947ء سے پہلے جن وجوہات نے پاکستان کے مطالبے کو جنم دیا آج انہی وجوہات نے خالصتان کے مطالبے کو جنم دیا ہے۔ ہمارا الیہ یہ ہے کہ اس کا احساس ہماری قوم کو سب کچھ گنوا کے ہوا لیکن قوموں کی زندگی میں تین چار یا پانچ دہائیاں کا لفظ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

دنیا کے نقشے میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور آتی رہیں گی۔ کئی قومیں دنیا کے نقشے پر سے لے کر عرصے تک غائب رہنے کے بعد دوبارہ ابھری ہیں اور کئی قومیں عالمی ”گھٹنا چار“ کے جبر کا شکار ہو کر اپنی آزادی گنوا چکی ہیں۔ کچھ کوئی قومیں ”گھٹنا چار“ کے جبر کے ساتھ سمجھوتہ کر کے چپ ہو کر بیٹھ چکی ہیں اور کچھ اپنے پیٹے سنہرے ماضی کو واپس لانے کے لئے جبر کے خلاف جنگ کر رہی ہیں۔ سکھ ایسی ہی ایک سنگٹھڑ کرنے والی قوم کا نام ہے۔

بیان کی گئی حقیقتوں کو مسلم لیگ کی لیڈر شپ نے 1947ء سے پہلے جان لیا تھا۔ سمجھ لیا تھا ہم آج ان حقیقتوں کے کانٹوں پر چل کے لہو لہان ہو رہے ہیں۔

دلی والے ہوئے بیٹھے

یارو ساڈے لہو دے پیاسے

اپنی جان لے کے آن بیٹھے ہاں

اللہ والے لوکاں پاسے

☆☆☆

پاکستان کی خصوصی عدالت برائے انسداد دہشت گردی میں ریکارڈ کیا گیا سردار بگدر سنگھ کا یہ بیان وقت کی دھول میں گم ہو چکا ہے۔ اس فائل پر بڑی گرجم گئی ہے۔ جدید دور کا الیہ یہ ہے کہ یہاں سچائیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں کیونکہ ان کو ناپنے اور جانچنے

والے بیانے بدلتے رہتے ہیں۔ آج کا انسان مصلحتوں کا شکار اور حکومتیں منافقوں کی شاہکار ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے بزمِ خویش کا ردِ بارِ حیات چلانے کا ٹھیکہ سنبھال رکھا ہے اپنے مفادات کے حوالے سے بچ اور جھوٹ کا تعین کرتے ہیں۔

انسانی حقوق کے نام پر انسانیت پر ڈاکہ زنی کرتے ہیں۔ ایک جیسے دو انسانوں کا قتل ایک جیسے انصاف کا متقاضی نہیں جانتے۔

لیکن..... اس حقیقت سے وہ بھی آگاہ ہیں کہ مکافات عمل رکنا نہیں کسی کو یقین نہ ہو تو ماضی کے سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک آف رشیا کی تاریخ پڑھ لے۔

ہے کوئی، تاریخ سے سبق سیکھنے والا؟

طارق اسماعیل لاہور

☆☆☆

نوائے گھلو گھارا
افضل احسن رندھاوا
(اپریشن بلیو سٹار)

سُن راہیا! کراں والیا! میں بے کرمی دی بات
میرا چہرہ بعدِ سولج دُیا، میرے دن نوں کھا گئی رات

میری سادی ککھ جٹا چئی جیہڑی گورو نے دیر
آج تپدی بھٹھی بن گئی تے اوہ دی دیکھ ایہر
آج تپدی بھٹھی بن گئی میری سادی ککھ اخیر
دعہ پھٹیاں دانگوں کھڑے میرے شیر، جوان تے پیر
آج تپدی بھٹھی بن گئی میری مہکاں دند دی ککھ
آج میرے تختیاں چوں چنگدے میرے بچے ہوتے دکھ

آج تپدی بھٹھی بن گئی میری سست سمندر اکھ
آج بھٹی جائے نہ جب توں میرے شہیدیاں والی دکھ
آج تپدی بھٹھی بن گئی میری چوڑے والی باہنہ
آج دوج شہیدی جھنڈیاں ہے میرا جھنڈا تہانہ
آج تپدی بھٹھی بن گیا میرا سنگے والا پیر
آج ویریاں کدو دکھالیا ہے تیج صدیاں دا دیر
آج تپدی بھٹھی بن گئی میری ددھاں دند دی پھات
میں اپنی رت دت دُب گئی پر باہر نہ ماری جھات
آج تپدی بھٹھی بن گیا میرا مکھن جیا سر پر
میں مکھ سڑی دوج سڑسڑے میرا راکھا، میری میر
آج تپدی بھٹھی بن گیا میرا دھلکاں مار دا رنگ
میں مَر جانی دوج سڑ گیا آج میرا اک اک انگ
آج تپدی بھٹھی بن گئی میرے دیہڑے دی ہراٹ
جیتھے دنیا متھ ٹیک دی اوہ بوناں پھڑی بھٹ
میرے بُج منارے دھا دتے، دھا دانت کال
میرا سونے رنگا رنگ آج میرے لہو نال لالود لال
میراں کھتھیاں ٹینکاں مینڈھیاں میری لوہی بمباں گت
میرے کھڑ انھیاں گولیاں، بھٹن سٹے میرے پُت
میرا جوڑا رات سہاگ دا ہویا ایڈاں لیر دیر
جداں کرچی کرچی ہو گئی میری شیشے دی تصویر
میرا شیر بہادر، سوریا، جرنیلاں دا جرنیل

اوس موت دیا ہی ہس کے اوہکے دل تے دتا نہ میل

پر کوئی نہ اوسہوں بوہڑیا، اوسہوں ویرین ماریا گھیر

اُج دُکے رہ گئے گھڑن وچ میرے کھان پتر شیر

راہیا! کہاں والیا! ایس بے کرمی دی بات

میرا چرھدا سورج دُبا، میرے دن نوں کھا گئی رات

میرے کوں لوں چوں پئی دُکھی بھانویں ہو دی اک اک نہر

میں ابے جو بندی جاگدی، میں تھل گئی سارا قہر

میں مرنہیں سکدی کدے دی، بھانویں دھن اٹھو پہر

بھانویں دین تیسے رُج کے، بھانویں رُج پیادن نہر

میرے پتر ساگر زور دا، ہر ہر بانہہ اک اک لہر

میرے پتر پنڈ و پنڈ نے میرے پتر شہر و شہر

میری مگر کتاب دا دیکھ لے، توں ہر ہر ورقہ پڑھ

جدوں ساری بنی لے ماں تے، میرے پتر آئے چڑھ

پڑھ! کتنی واری ماں توں، اوسہاں واری اپنی جان

پڑھ! کس دن اپنی ماں را اوسہاں نہیں سی رکھیا مان

سُن راہیا! راہے جانیا! توں کچھ رکھیں ایہ بات

میرا دُبا سورج چڑھے گا اورک مُکے گی رات

